فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 97 | 16 جمادی الاوّل تا 16 جمادی الثانی 1431 ہجری - یکم تا 31 مئی 2010ء | شمارہ نمبر 9-10

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

توبہ واستغفار سے انسان ہلاکت سے بچتا ہے

ملفوظات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

''ظاہر ہے کہ انسان اپنی فطرت میں نہایت کمزور ہے اور خدا تعالیٰ کے صدہا احکام کا اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے۔ پس اس کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے بعض احکام کے ادا کرنے سے قاصر رہ سکتا ہے اور کبھی نفس امارہ کی بعض خواہشات اس پر غالب آجاتی ہیں۔ پس وہ اپنی کمزور فطرت کی رُو سے حق رکھتا ہے کہ کسی لغزش کے وقت اگر وہ توبہ اور استغفار کرے تو خدا کی رحمت اس کو ہلاک کرنے سے بچالے۔ اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ اگر خدا توبہ قبول کرنے والا نہ ہوتا تو انسان پر یہ بوجھ صدہا احکام کا ہرگز نہ ڈالا جاتا۔

اس سے بلاشبہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تواب اور غفور ہے۔ اور توبہ کے یہ معنے ہیں کہ انسان ایک بدی کو اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دے کہ بعد اس کے اگر وہ آگ میں بھی ڈالا جائے تب بھی وہ بدی ہرگز نہیں کرے گا۔ پس جب انسان اس صدق اور عزم محکم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو خدا جو اپنی ذات میں کریم اور رحیم ہے وہ اس گناہ کی سزا معاف کر دیتا ہے۔ اور یہ خدا کی اعلیٰ صفات میں سے ہے کہ توبہ قبول کر کے ہلاکت سے بچا لیتا ہے۔

اگر انسان کو توبہ قبول کرنے کی امید نہ ہو تو پھر وہ گناہ سے باز نہیں آئے گا۔ عیسائی مذہب بھی توبہ قبول کرنے کا قائل ہے مگر اس شرط سے کہ توبہ قبول کرنے والا عیسائی ہو۔ لیکن اسلام میں توبہ کے لئے کسی مذہب کی شرط نہیں ہے۔ ہر ایک مذہب کی پابندی کے ساتھ توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ اور صرف وہ گناہ باقی رہ جاتا ہے جو کوئی شخص خدا کی کتاب کے رسول سے منکر رہے۔ اور یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان محض اپنے عمل سے نجات پا سکے بلکہ یہ خدا کا احسان ہے کہ کسی کی وہ توبہ قبول کرتا ہے اور کسی کو اپنے فضل سے ایسی قوت عطا کرتا ہے کہ وہ گناہ کرنے سے محفوظ رہتا ہے۔'' (چشمہ معرفت ص ۱۸۱)

’’یاد رہے کہ توبہ اور مغفرت سے انکار کرنا درحقیقت انسانی ترقیات کے دروازہ کو بند کرنا ہے۔ کیونکہ یہ بات تو ہر ایک کے نزدیک واضح اور بدیہات سے ہے کہ انسانِ کامل بالذات نہیں بلکہ تکمیل کا محتاج ہے اور جیسا کہ وہ اپنی ظاہری حالت میں پیدا ہوکر آہستہ آہستہ اپنے معلومات وسیع کرتا ہے۔ پہلے ہی عالم فاضل پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ پیدا ہوکر جب ہوش پکڑتا ہے تو اخلاقی حالت اس کی نہایت گری ہوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی نوعمر بچوں کے حالات پر غور کرے تو صاف طور پر اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر بچے اس بات پر حریص ہوتے ہیں۔ کہ ادنیٰ ادنیٰ نزاع کے وقت دوسرے بچہ کو ماریں اور اکثر ان سے بات بات میں جھوٹ بولنے اور دوسرے بچوں کو گالیاں دینے کی خصلت مترشح ہوتی ہے اور بعض کو چوری اور چغل خوری اور حسد اور بخل کی بھی عادت ہوتی ہے۔ اور پھر جب جوانی کی ہستی جوش میں آتی ہے تو نفس امارہ ان پر سوار ہوجاتا ہے اور اکثر ایسے نالائق اور ناگفتنی کام ان سے ظہور میں آتے ہیں جو صریح فسق و فجور میں داخل ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اکثر انسانوں کے لئے اول مرحلہ گندی زندگی کا ہے۔ اور پھر جب سعید انسان اوائل عمر کے تند سیلاب سے باہر آجاتا ہے تو پھر وہ اپنے خدا کی طرف توجہ کرتا ہے اور سچی توبہ کرکے ناکردنی باتوں سے کنارہ کش ہوجاتا ہے اور اپنی فطرت کے جامہ کو پاک کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ عام طور پر انسانی زندگی کے سوانح ہیں جو نوع انسان کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ اگر یہی بات سچ ہے کہ توبہ قبول نہیں ہوتی تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ارادہ ہی نہیں کہ کسی کو نجات دے۔‘‘ (چشمہ معرفت ص ۱۸۴)

اس شمارے میں

جہاد جدید مغربی مفکرین کی نظر میں
انگریزی سے ترجمہ: نعیم اللہ ملک

مقدس جہاد

کیرن آرم سٹرانگ

(بعض مسلمان ممالک میں جہادی تنظیموں کی ہولناک سرگرمیوں کی وجہ سے مغرب میں اسلام کو شدت پسندی اور بربریت کا مذہب قرار دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس گھٹن کے ماحول میں چند مغربی مفکرین اس کے متعلق نہایت متوازن اور حقیقت پر مبنی رائے بھی رکھتے ہیں اور نہایت دلیری سے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اس وقت ہم کیرن آرم سٹرانگ کی کتاب ''محمد پیغمبر اسلام کی سوانح حیات'' کے باب ''مقدس جہاد'' میں سے کچھ مواد قارئین کے استفادہ کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ ادارہ)

حضرت محمد ﷺ اس وقت تک ایک جانی پہچانی شخصیت بن چکے تھے۔ کئی برسوں کی ایذا رسانی اور شکست خوردگی کے باوجود آپؐ ایک ایسے پیغمبر تھے جنہیں خود اپنے وطن میں تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ عیسائیت کی گود میں پرورش پانے والے لوگ اس بات کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں اور آپؐ کا احترام کر سکتے ہیں۔ لیکن ہجرت کے بعد حضور ﷺ کو سیاسی اور روحانی اعتبار سے غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ البتہ مسیحی مغرب نے آنحضرتؐ کی حیات مقدسہ کے اس پہلو کو ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب آپؐ ایک روشن و تابان اور طلسماتی سیاسی رہنما بن گئے تھے جنہوں نے نہ صرف عرب بلکہ دنیا بھر کی تاریخ کا رخ موڑ دیا تھا۔ یورپ میں آپؐ کے نکتہ چینوں نے اب اس دعوے کو مسترد کر دیا ہے کہ آپؐ (نعوذ باللہ۔ مترجم) ایک بہروپیے تھے جنہوں نے مذہب کو طاقت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تھا۔ چونکہ مسیحی دنیا مصلوب مسیحؑ کے خیالی پیکر کے زیر اثر ہے جنہوں نے کہا تھا کہ ان کی بادشاہت اس دنیا کی بادشاہت نہیں ہے، اس لیے ہم شکست اور ذلت و ناکامی ہی کو کسی مذہبی رہنما کا طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے روحانی ہیروز سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ دنیاوی نقطہ نظر سے نگاہوں کو خیرہ کرنے والی کامیابی بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

اسلام تلوار کا دین؟

ہم اس بات کو رسوا کن بلکہ فسق و فجور قرار دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو امن، طاقت اور فتح کے لئے جنگ کرنا پڑی تھی۔ ہمارے ہاں اسلام کو تلوار کے دین کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس نے تشدد اور عدم برداشت کو مقدس قرار دے کر حقیقی روحانیت کو ترک کر دیا تھا۔ مسیحی یورپ میں اسلام کے متعلق یہ تاثر قرون وسطیٰ سے پایا جاتا ہے۔ حالانکہ اس وقت عیسائی خود مشرق وسطیٰ میں مقدس صلیبی جنگیں لڑ رہے تھے۔ آج مقبول عام کتابوں اور ٹیلی ویژن پروگراموں کے اکثر نام اسلام کا قہر، اسلام کی تلوار، مقدس غضب یا مقدس دہشت رکھے جاتے ہیں لیکن یہ صورت حال حقائق کو مسخ کرنے کے مترادف اور حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ دنیا کا ہر مذہب اپنے منفرد انداز اور خصوصی بصیرت کا حامل ہے جو اس کے قطعی معنوں اور اقدار کا امتیازی وصف ہوتا ہے۔ عیسائیت بنیادی طور پر دکھوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کا مذہب ہے اور کم سے کم مغرب میں مصیبتوں کے زمانے میں اس کا ہمیشہ بہترین اظہار ہوا ہے۔ کلیسا کے ابتدائی دور میں حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے والی شبیہہ کا تاثر اور گہرا ہو گیا اور مسیحی روحانیت پر اس کے انمٹ نقش ثبت ہو گئے۔ چنانچہ عیسائیوں نے شروع سے یہ محسوس کر لیا کہ انہیں دنیا سے کنارہ کش ہونا ہوگا۔ اسی طرح سیاسی حکومت کی مخالفت یا اس سے علیحدگی، شہیدوں کے دور میں خوش نصیبی کی علامت اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تکلیفیں اٹھانا اور ان کے لئے مرنا اعلیٰ ترین مذہبی نصب العین بن گیا۔ عیسائیوں کا یہ نظریہ کہ تکلیفیں برداشت کرنے سے انسان میں خدائی صفات پیدا ہو جاتی ہیں، متاثر کن ہے اور لاکھوں غم زدہ عیسائیوں کے لئے تسلی کا باعث بھی! لیکن اس نظریے نے ایک بری ریت بھی ڈالی ہے۔ عیسائیوں کو بتایا گیا ہے کہ ظلم اور ناانصافی کو برداشت کرنا ان کا فرض ہے۔ یہ خدائی نظام ہے جس

میں امیر اپنے محل کے اندر اور غریب اس کے دروازے پر بیٹھتا ہے اور اس دنیا میں ایذا رسانی اور تکلیفیں اٹھانے کا انعام جنت میں دیا جائے گا۔ آج بھی امریکی حکومت کے بعض طبقے قدامت پسند عیسائیوں کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ وسطیٰ اور جنوبی امریکہ میں ایسی تعلیمات کی تبلیغ کریں۔ لیکن ایسے عیسائی بھی موجود ہیں جو مظلوموں اور بے کسوں کا ساتھ دینے اور ایک منصفانہ اور بہترین معاشرے کے قیام کی جدوجہد میں حصہ لینے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ہمیں اسلامی جہاد، جسے مغرب کے لوگ عام طور پر مقدس جنگ کے نام سے موسوم کرتے ہیں کا اسی تناظر میں جائزہ لینا چاہیے۔

عیسائیت اور اسلام نے کن حالات میں جنم لیا؟

عیسائیت میں سیاسی سرگرمی کو مذہبی زندگی سے الگ تھلگ رکھنے کا شدید رجحان پایا جاتا ہے اور عیسائی دنیاوی کامیابی کو عموماً روحانی فتح تصور نہیں کرتے۔ ہم نے یورپ میں بتدریج ایک ایسا آئیڈیل دریافت کر لیا ہے جو کلیسا اور ریاست کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے۔ عام طور پر ہم اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے ان دو منفرد شعبوں، مذہب اور ریاست کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے لیکن مسیحیت کے اس تجربے کی بناء پر ہمیں ان دوسری ثقافتی اور مذہبی روایات کے خلاف تعصب روا نہیں رکھنا چاہیے جو مختلف حالات میں پھلی پھولی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے جب اپنی قوم کو وحی سے آگاہ کیا، اس وقت عرب مہذب دنیا سے باہر تھا اور اس کا سیاسی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ اس کے برعکس عیسائیت نے رومی سلطنت میں جنم لیا جس میں عیسائیوں کو امن اور سماجی تحفظ حاصل ہو گیا۔ یسوع مسیحؑ اور سینٹ پال کو سماجی اور سیاسی نظام کے حوالے سے کوئی پریشانی نہیں تھی کیونکہ یہ نظام وہاں پہلے موجود تھا۔ اگر یہ نظام نہ ہوتا تو سینٹ پال رومی حدود سے باہر تبلیغی سفر نہیں کر سکتا تھا۔ عرب میں کسی بھی شخص کو جو کسی کے زیر حفاظت نہ ہوتا، کھلے بندوں قتل کیا جا سکتا تھا اور قاتل کو کوئی سزا بھی نہ ملتی۔ آخر چوتھی صدی کے شروع میں مسیحیت کو سلطنت کے سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہو گئی لیکن نئی عیسائی حکومت کو ہرگز یہ احساس نہ تھا کہ اسے مکمل طور پر ایک نیا نظام معرض وجود میں لانا ہے۔ چنانچہ اس نے صرف قدیم رومی قانون اور اداروں کو عیسائیت میں ڈھال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحیت میں سیاست کو ایک الگ شعبے کا درجہ حاصل رہا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے برعکس رسول عربیؐ ایک ایسے زمانے میں مبعوث ہوئے جب دنیا میں امن و سکون کے بجائے ہر طرف فتنہ و فساد برپا تھا۔ آپؐ ساتویں صدی کے خون میں نہائے ہوئے عرب میں پیدا ہوئے جہاں پرانی اقدار ناپید ہو گئی تھیں اور کسی نئے نظام یا نئی اقدار نے ان کی جگہ نہیں لی تھی۔ حضرت محمد ﷺ نے شروع میں اس بات پر اصرار کیا کہ آپؐ کو کوئی سیاسی فریضہ نہیں سونپا گیا حالانکہ عبرانی پیغمبروں کی طرح آپؐ سماجی انصاف کے پیغام کی تبلیغ کرتے رہے تھے۔ بعد میں ایسے واقعات کی بدولت، جن کی پیش بینی ممکن نہیں تھی، حضور کو ہجرت کر کے مدینہ جانے پر ایک نئے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ غالباً آپؐ نے عربوں کو متحد کرنے کے نصب العین پر پہلے سے غور و خوض کرنا شروع کر دیا تھا جس میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے خلاف برسرپیکار تھا۔ لیکن ہجرت کے وقت نبی کریمؐ کے پاس کوئی قطعی خاکہ اور وژن تھا اور نہ ہی آپؐ نے ایسی کوئی مربوط پالیسی وضع کی تھی جس کے ذریعے آپؐ اپنے نصب العین کو حاصل کر لیتے۔ آنحضرتؐ نے کبھی کوئی لمبے چوڑے منصوبے نہ بنائے بلکہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو حالات کی مناسبت سے آپؐ اس سے نمٹ لیتے۔ آپؐ بتدریج ایک نامعلوم اور انجان منزل کی طرف بڑھ رہے تھے جس کی اس سے پہلے کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔ ان حالات میں پرانے زوال پذیر نظام پر نئے نظریات اور پالیسیوں کی بنیاد استوار کرنا ناگزیر تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ حضور ﷺ کی اولین ترجیح رہا۔

مدینہ ہجرت کرنے کے بعد جب نبی کریم ﷺ کو سیاسی اور سماجی نوعیت کے فیصلے کرنا پڑے تو قرآن کریم کا انداز بھی بدلنا شروع ہو گیا اور شاعرانہ تخیل اور ازلی حقائق کی حامل سورتوں کا مزاج اب زیادہ عملی ہونے لگا جن میں نئی قانون سازی ہوتی یا موجودہ سیاسی صورت حال پر تبصرہ شامل ہوتا۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا جیسا کہ بعض مغربی نقاد سمجھتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے طاقت حاصل کرنے کے لئے اپنے حقیقی نصب العین کو ترک کر دیا تھا۔ قرآن کریم پر تدبر کرتے وقت ہمیں اس کے سیاق و سباق کو پوری طرح ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن کی ایک بھی ایسی سورت موجود نہیں جس کا مرکز خدا کی ذات نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات کا مرکز اور محور صرف خدا کی ذات ہے۔ قرآن مجید ہر مرحلے پر مسلمانوں کے سامنے ایک بہت بڑا چیلنج پیش کرتا ہے۔ کیا وہ خدا کی کامل اطاعت کریں گے اور اس پر دل و جان سے ایمان لائیں گے یا اپنے محدود خیالات کے پیچھے بھاگتے پھریں گے؟ لیکن دنیاوی معاملات زیر بحث آنے کے باوجود بعض آیات کے ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر بھی اصل عربی زبان کی شان و شوکت اور لب و لہجے کو برقرار رکھا گیا ہے۔ مدنی سورتوں میں جو موسیقیت اور نغمگی پائی جاتی ہے، وہ مروجہ تشبیہوں اور استعاروں کی قدر و منزلت میں اضافہ کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جب ان میں خدا کے ساتھ اچھا سودا کرنے کا ذکر آتا ہے تو اسے خدائی نظام میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ یہاں بھی مختلف اجزا کو باہم مربوط کرنے کے عمل کو بدستور سب سے بڑے تجربے کا درجہ حاصل رہتا ہے۔ قرآن میں ایسی بے شمار ضرب الامثال، اشارے کنائے اور تلمیحات موجود ہیں جن کا ترجمہ

کرنا گو ایک دشوار کام ہے لیکن وہ پیغام خداوندی کے اہم نکات کو ذہن نشین کرنے میں قاری کی معاونت کرتی ہے۔ رسول اللہؐ جیسے جیسے اہم سیاسی معاملات سے نبرد آزما ہوتے رہے، آپؐ کا ذہن عربوں کے درمیان امن قائم کرنے کے لئے حکمت عملی تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔

لیکن اپنے کیریئر کے آخر میں سیاسی کردار ادا کرنے کے باوجود سماجی پیغام آپؐ کے مذہبی وژن کا جزو لاینفک رہا۔ قرآن کریم نے جب مسلمانوں کو مظاہر فطرت میں خدا کی ''نشانیاں'' دیکھنے کی ترغیب دی تو اس سے ان میں خدائی نظام کا ادراک کرنے کی جستجو پیدا ہو گئی۔ مچھلیوں، پرندوں، جانوروں، پھولوں، پہاڑوں اور ہواؤں کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ خدا کے سامنے جھکنے یا نہ جھکنے کا فیصلہ کریں۔ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے میں خدا کی شان کا اظہار کرتی ہیں لہذا یہ تمام چیزیں فطری طور پر مسلمان ہیں جو خود کو خدا کے سامنے جھکا کر اعلیٰ ترین منصب تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کائنات میں آزاد قوتِ فیصلہ کا تحفہ اور خوفناک ذمے داری صرف اور صرف انسان کو سونپی گئی ہے۔

خدا نے قرآن کریم کی ایک حیرت انگیز آیت میں اشارہ کیا ہے کہ ہم نے اپنی تمام مخلوقات کو آزادی کی پیشکش کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا، صرف انسان نے عاقبت نا اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے قبول کر لیا:

ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے (مگر) انسان نے اسے اٹھا لیا، وہ بڑا ہی ظالم جاہل ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۷۲۔ مترجم)

انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کی بعثت

لیکن خدا نے بنی نوع انسان کو ہدایت اور رہنمائی کے بغیر نہیں چھوڑا۔ اس نے کرۂ ارض پر بسنے والی تمام قوموں کے لئے بے شمار پیغمبر بھیجے تا کہ وہ یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے کیا چاہتا ہے؟ بہر حال انسانوں نے پہلے پیغمبر آدمؑ کے وقت سے خدا کے پیغام کو سننے سے انکار کر دیا۔ انسان اس پیغام کو صحیح طریقے سے سمجھا نہیں یا اپنی روزمرہ زندگی پر اسے نافذ کرنے میں ناکام رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی بستیاں تباہ ہوتی رہیں کیونکہ ان کی تعمیر اس طرز پر نہیں ہوئی تھی جیسی کہ ہونی چاہیے تھی۔ قرآن میں بار بار یہ تذکرہ ہوا ہے کہ انسان خدا کے سادہ ترین احکام کو ماننے سے کس طرح انکار کرتے رہے ہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے فطری دنیا کو اپنی خود غرضی اور مفادات کے لئے بگاڑنا شروع کر دیا اور اپنی ذات کو نظام کائنات میں مرکزی حیثیت دے دی۔ انسانی رویے کے لئے خدائی پلان کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے انسانوں نے فطری نظام کو اس طرح تباہ و برباد کر دیا جس طرح سمندر اپنے مقررہ حدود سے باہر نکل کر تباہی پھیلا دیتے ہیں۔ اسی طرح قریش نے بھی اپنے پیغمبرؐ کا پیغام سننے سے انکار کر دیا اس لیے ان کا معاشرہ بھی تباہی کا شکار ہو گیا۔ حضرت محمد ﷺ نے اہل مکہ کو آنے والی تباہی سے خبردار کیا، اس لیے نہیں کہ خدا ایسا چاہتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش فطرت کے نظام کو درہم برہم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

لیکن ابھی سب کچھ کھویا نہیں تھا، اصلاح کی گنجائش موجود تھی۔ خدا نے مدینہ کے لوگوں کو ان کی اپنی زبان عربی میں قرآن سننے کا موقع فراہم کیا تھا اور رسول کریمؐ نخلستان میں خدائی پلان کے مطابق معاشرہ تشکیل دینے میں مصروف تھے۔ بعض پیغمبروں کو دوسرے نبیوں کے مقابلے میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ لوگوں کی بڑی تعداد کو اللہ کی وحدانیت پر قائل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اہل کتاب کو تورات اور انجیل کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ حضرت محمد ﷺ نے نہ صرف مدینہ کے باشندوں بلکہ پورے عرب کے لوگوں کو نئی امت میں شامل ہونے پر آمادہ کیا چنانچہ مسلمان حضورؐ کو تمام رسولوں میں کامیاب ترین پیغمبر قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہد کو آنحضرتؐ کی پیدائش یا پہلی وحی کے نزول کی تاریخ سے منسوب نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کا دور ہجرت کے سال سے شروع ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ سال ہے جب مسلمانوں نے انسانی تاریخ میں خدائی پلان کو عملی شکل دینے کے کام کا آغاز کیا تھا۔

مسلمانوں کی یہ ایک انتہائی خطرناک جدوجہد تھی۔ رسول اللہؐ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر ایک مہاجر کی حیثیت سے ستمبر ۶۲۲ عیسوی میں مدینہ پہنچے تھے۔ اگلے پانچ برسوں کے دوران آپؐ بدستور اخلاقی خطرے سے دوچار رہے۔ اس پورے عرصے میں مسلم اُمہ کو اپنی تباہی کا خدشہ لاحق رہا۔ مغرب میں پیغمبر اسلامؐ کو اکثر ایک جنگجو شخصیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو متذبذب دنیا پر تلوار لہراتے ہوئے اسلام کو مسلط کرتے نظر آتے ہیں لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف تھی۔ اصل میں حضرت محمد ﷺ اور اولین مسلمان اپنی جانیں بچانے کے لئے لڑ رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک منصوبے پر بھی عمل پیرا تھے جس میں تشدد ناگزیر تھا۔ دنیا میں کوئی بھی سماجی اور سیاسی انقلاب خون ریزی کے بغیر رونما نہیں ہوتا اور چونکہ نبی کریمؐ ایک ایسے پر آشوب دور میں رہ رہے تھے جس میں ہر طرف انتشار اور افراتفری تھی، اس لیے اس معاشرے میں امن صرف تلوار کے ذریعے ہی قائم ہو سکتا تھا۔ مسلمان حضورؐ کے مدنی دور کو سنہری دور کے طور پر یاد کرتے ہیں لیکن یہ دور غم واندوہ، دہشت اور خون ریزی کا بھی تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ عرب کے ہولناک تشدد کو ختم کرنے کے لئے امت مسلمہ کو انتھک جدوجہد کرنا پڑی تھی۔

جہاد کا صحیح مفہوم

اب قرآن مجید نے مدینہ کے مسلمانوں پر زور دینا شروع کر دیا کہ وہ جہاد میں حصہ لیں۔ اس میں جنگ اور خون ریزی ناگزیر تھی۔ لیکن لفظ ''جہد'' کا مادہ ''جہاد'' یا ''مقدس جنگ'' سے کہیں زیادہ وسیع معنوں کا حامل ہے جس میں جسمانی، اخلاقی، روحانی علمی جدوجہد کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں مسلح جنگ کے لئے بے شمار الفاظ موجود ہیں جن میں حرب، سریہ، معرکہ اور قتال کے الفاظ شامل ہیں۔ اگر جنگ مسلمانوں کا مطمح نظر ہوتی تو قرآن حکیم ان لفظوں کو آسانی کے ساتھ استعمال کر سکتا تھا لیکن اس نے جہاد کے مبہم لیکن وسیع مفہوم رکھنے والے لفظ کا انتخاب کیا ہے۔ جہاد اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں شامل نہیں ہے اور مغرب کے عمومی نقطہ نظر کے برعکس دین اسلام میں جہاد کو مرکزی ستون کا درجہ حاصل نہیں البتہ تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایک منصفانہ اور مہذب معاشرے کے قیام کے لئے، جس میں غریبوں اور بے کسوں کا استحصال نہ ہو، جہاں لوگ خدا کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں اور اخلاقی، روحانی اور سیاسی تمام محاذوں پر جدوجہد جاری رکھیں۔ بعض اوقات لڑائی اور جنگ وجدل ناگزیر ہو جاتی ہے لیکن یہ پورے جہاد کا ایک مختصر حصہ ہے۔ ایک مشہور حدیث کے مطابق ایک غزوہ سے واپسی پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانی وجود اور معاشرے میں روزمرہ زندگی میں پائی جانے والی برائیوں کے خلاف جہاد کرنا ایک مشکل اور صبر آزما کام ہے۔

جب مسلمانوں نے ہجرت کی تو وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انہیں جنگ کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ انصار نے عقبہ میں بیعت ثانی کے موقع پر جنگ لڑنے کا عہد کیا تھا چنانچہ حضرت محمد ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد اس وحی کے ذریعے مہاجرین کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی:

جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے، اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں کہ بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیے گئے۔ ان کا کوئی جرم نہیں تھا، اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور دیکھو اگر اللہ بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا رہتا (اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ظلم و تشدد کے لئے بے روک چھوڑ دیتا) تو کسی قوم کی عبادت گاہ محفوظ نہ رہتی۔ خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں، مسجدیں جن میں کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، سب کبھی کی ڈھائی جا چکی ہوتیں۔ (۲۲:۴۰)

قرآن کریم نے انصاف کی خاطر جنگ لڑنے کے عقیدے کی بنیاد رکھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ اعلیٰ اقدار کے تحفظ کے لئے بعض اوقات جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ اگر مذہب پرکار بند لوگ جنگ کے لئے نہ نکلتے تو ان کی عبادت گاہوں کو تباہ کر دیا جاتا۔ اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ وہ انہیں صرف اسی صورت میں نصرت عطا کرے گا جب وہ نماز ادا کریں گے، خدا کی راہ میں خرچ کریں گے، انصاف اور وقار پر مبنی قوانین نافذ کریں گے اور مساوات اور برابری کے اصولوں کی بنیاد پر استحصال سے پاک معاشرہ تشکیل دیں گے۔

یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے، گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھائی جاتیں جہاں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا، اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔ (سورۃ الحج آیات ۴۰، ۴۱ مترجم)

قرآن حکیم کی اس آیت میں صرف مہاجرین کو جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے جنہیں قریش نے مکہ سے نکال باہر کیا تھا۔ ابھی انصار کو جنگ کی اجازت نہیں ملی تھی کیونکہ ان کا مکہ والوں سے کوئی باضابطہ تنازع نہیں تھا۔ لیکن اس وحی سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ رسول اللہؐ اس ابتدائی مرحلے میں قریش کے ساتھ بڑے پیمانے پر جنگ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ ایسا کرنا تو خالص دیوانگی ہوتی۔ عرب میں غزوہ یا حملہ صدیوں سے قومی کھیل کے طور پر رائج تھا۔ دراصل مشکل دور میں گزر بسر کرنے کے لئے یہی ایک آزمودہ طریقہ تھا۔ مدینہ میں مہاجرین کے پاس روزی کمانے کے ذرائع بہت محدود تھے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ ساہوکار، تاجر اور سرمایہ دار تھے اور انہیں کھجوریں کاشت کرنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اگر مدینہ میں زمین دستیاب ہوتی تو بھی یہ لوگ کھیتی باڑی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ لوگ گذر اوقات کے لئے انصار پر بھروسہ کرتے تھے اور جب تک ان کو آمدنی کا اپنا ذریعہ نہ ملتا، وہ مسلم امہ پر بوجھ بنے رہتے۔ سب لوگ نوجوان اور ذہین تاجر عبدالرحمٰنؓ کی پیروی نہیں کر سکتے تھے جنہوں نے مدینہ پہنچتے ہی روزی کا ذریعہ تلاش کر لیا تھا۔ انہوں نے صرف بازار کا راستہ پوچھا اور تھوڑے عرصہ میں خرید و فروخت کے ذریعے آمدنی کا وسیلہ بنا لیا۔ مدینہ میں تجارت کے بہت کم مواقع موجود تھے اور بڑے پیمانے پر تجارت پر مکہ والوں کی اجارہ داری قائم تھی۔ (ص ص ۲۲۳۔۲۲۹)

مرتب: ناصر احمد

حضرت مسیحؑ کے مقدس کفن کی نمائش، ٹیورن، اٹلی میں

موجودہ پوپ بینیڈکٹ نے 2 مئی کو اس کے سامنے خصوصی اجتماعی دعا کروائی

''پیغام صلح'' کے قارئین بخوبی واقف ہیں کہ مقدس کفن وہ کفن نما لمبی چادر ہے جس میں حضرت مسیحؑ کو صلیب پر سے اتارنے کے فوراً بعد لپیٹ کر ان کے ایک انتہائی قریبی پیروکار یوسف آرمیتھیا کی خود سے تیار کی ہوئی کھلی غار نما قبر میں رکھ دیا گیا تھا اور غار کے منہ پر پتھر رکھ کر بند کر دیا گیا تھا۔ اس کپڑے میں لپٹے ہوئے شخص کی شبیہہ کس طرح اس چادر پر منعکس ہوگئی وہ ایک الگ موضوع ہے جس پر آئندہ اقساط میں تفصیلاً ذکر کیا جائے گا۔

بہرحال حضرت مسیحؑ کے صلیب سے زندہ اتار لئے جانے کے سلسلے میں یہ ایک یکتا تاریخی نشان ہے۔ اس مرتبہ 10 سال کے بعد اس مقدس کفن کی زیارت کے لئے اٹلی کے شہر ٹیوروں کے خاص گرجا گھر میں نمائش کی گئی تھی۔ جو 10 اپریل سے 23 مئی تک جاری رہی۔ دنیا کے مختلف ممالک اور خود اٹلی کے تمام علاقوں سے عیسائی معتقدین نے لاکھوں کی تعداد میں انفرادی طور پر اور بڑے بڑے گروپوں میں اس کفن کی زیارت کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقدس کفن کی نمائش کے موقع پر موجود پوپ بینیڈکٹ نے کفن کے سامنے اجتماعی دعا کروائی

جب میں پاکستان میں ہی تھا تو پتہ چلا کہ مقدس کفن کی نمائش کی جا رہی ہے۔ اور موجودہ پوپ 2 مئی کو اس موقع پر ایک اجتماعی دعا کروائیں گے۔ میں نے اپنے بیٹے ڈاکٹر جواد احمد سے خواہش ظاہر کی کہ ہمیں خود جا کر اس مقدس کفن کو دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ میں اور میرا بیٹا 9 مئی کو سٹینڈ سڈط ایئر پورٹ سے جو ایلز بری میں ہمارے گھر سے بذریعہ کار تقریباً ایک گھنٹے کا راستہ ہے روانہ ہوئے۔ چونکہ آریانہ ایئر ویز کی پرواز صبح سات بجے روانہ ہونا تھی اس لئے ہم لوگ جمعرات 9 اپریل کو ہی ایئر پورٹ کے قریب ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے تا کہ رات آرام کر کے صبح آسانی سے فلائٹ پکڑ سکیں۔ ہوائی جہاز کا سفر ایک گھنٹہ چالیس منٹ کا تھا۔ ایئر پورٹ سے ہم بذریعہ کار ٹیوروں کے اس خاص گرجا کے باہر پہنچ گئے جس میں کفن رکھا رہتا ہے لیکن لوگوں کی زیارت کی خاطر اس کو اس کے اصل صندوق سے نکال کر ایک خاص شیشے کے ڈبے میں گرجا کے بڑے ہال میں رکھا گیا۔ تا کہ لوگ آسانی سے اس کی زیارت کر سکیں۔ باہر سڑک سے گرجا تک جانے کے لئے لکڑی کے تختوں سے بڑے ہال تک ایک خاص راستہ بنایا گیا تا کہ لوگ قسط میں اس تک پہنچیں۔ ہال تک کے راستہ کی لمبائی اور لوگوں کی لمبی قطاروں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سڑک سے مقدس کفن تک پہنچنے میں ہمیں تقریباً تین گھنٹے لگ گئے۔ لوگوں کی اتنی بھیڑ تھی کہ ہر شخص قدم بہ قدم چل رہا تھا۔ اس لمبے راستہ میں لوگوں کی سہولت کے لئے کھانے پینے کے سٹال اور بیت الخلا بنائے گئے تھے۔ بوڑھے لوگوں کے لئے لمبی قطاروں کے ایک طرف ربن لگا کر الگ راستہ بنایا گیا تھا تا کہ ویل چیئر اس مخصوص راستہ سے بلا روک ٹوک مقدس کفن تک پہنچ سکیں۔ اخباروں میں خبر تھی کہ مسلمانوں کی جماعت نے خصوصی طور پر اس کفن کی زیارت کی اور غالباً یہ لندن سے قادیانی جماعت کے لوگ تھے۔ ان کے علاوہ شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جو مقدس کفن کی زیارت کے لئے گیا ہوگا۔ میں اور میرا بیٹا جب اس مقدس کفن کے سامنے کھڑے تھے تو ہمارے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس موقع پر درود شریف پڑھنا چاہیے کیونکہ اس میں تمام انبیاء پر سلامتی اور برکت بھیجی جاتی ہے۔

موجودہ پوپ سے پہلے گذشتہ پوپ جان پال دوم نے بھی اس مقدم کفن کی نمائش کے موقع پر 1998ء میں اجتماعی دعا کروائی تھی۔ یہاں میں ایک بات کا ذکر کرتا چلوں کہ ایک وقت تھا کہ 1959ء میں سٹڈ گارڈ، جرمنی کے کرٹ برنانے جو ایک کیتھلک رائب خانہ کے ناظم اعلیٰ تھے انہوں نے 1933ء اور 1935ء میں لی گئی کفن کی تصاویر کے متعلق تحقیقات کے متعلق پوپ جان پال کو جو خط لکھا اور توجہ دلائی کہ اس بارے میں جو آراء سامنے آرہی ہے تو ان کے متعلق سرکاری طور پر ویٹیکن کی طرف سے اعلان ہونا چاہیے تا کہ لوگوں کی تشویش دور ہو۔ اس وقت ہم اس خط اور پوپ کی طرف سے جواب قارئین کی دلچسپی کے لئے درج کر رہے ہیں۔

پوپ جان پال کے نام کرٹ برنا کا خط

کرٹ برنا نے ۲۶ فروری ۱۹۵۹ء کو جو خط پوپ جان XXIII کے نام لکھا تھا، اس میں ان سے اپیل کی گئی تھی کہ اس مقدس کفن کی سائنٹیفک تحقیقات اور تجزیہ کروایا جائے تا کہ دنیا کو صحیح معلومات بہم پہنچ سکیں جبکہ ایک محدود تحقیق سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے صلیب پر جان نہیں دی۔ یہ درخواست اور پوپ کی طرف سے جو جواب ملا، دونوں کا آزاد ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس خط و کتابت سے قریباً دس سال بعد پوپ جان پال ششم نے بالآخر ایک کمیٹی سائنسدانوں اور ڈاکٹروں پر مشتمل مقرر کی جس نے اس کفن کی چھان بین کر کے اپنی رپورٹ پوپ کو دے دی مگر باوجود کرٹ برنا کے کھلے چیلنج کے، پوپ نے تا حال اس کمیٹی کی رپورٹ شائع کرنے کی جرات نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ یہ رپورٹ عیسائی عقائد کے برخلاف حضرت مسیحؑ کا صلیب سے زندہ اتارا جانا ثابت کرتی ہوگی تب ہی تو اسے صیغہ راز میں رکھا جارہا ہے۔

درخواست بنام پوپ، سٹیٹگارٹ — بخدمت ہز ہولی نس پوپ جان XXIII

جرمنی ۲۶ فروری ۱۹۵۹ء — ویٹیکان

(جرمن زبان میں لکھی گئی یہ کتاب جس کا نام Jesus Nicht am Kreuz Gestorben یعنی ''حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے'' ہے۔ اس کتاب کے مصنف برنا جرمن شہر سٹیٹگارٹ (Sttutgart) میں ایک کیتھولک راہب خانہ کے بانی مبانی اور ناظم اعلیٰ ہیں جہاں مقدس کفن کے متعلق تحقیق ہوتی ہے۔ اسی راہب خانہ میں کرٹ برنا کی راہنمائی میں کفن کی ان تصاویر پر جو ۱۹۳۳-۳۵ء میں لی گئی تھیں جدید سائنسی طریق پر تحقیق کی گئی، جس کے نتیجہ میں چند حیرت انگیز انکشافات ہوئے جنہیں کرٹ برنا نے تفصیل اور تصاویر کے ساتھ دو کتابوں میں شائع کیا۔ پہلی کتاب کا نام Das Linnen اور دوسری کتاب کا نام Jesus Nicht am Kruz Gestorben ہے یعنی Jesus did not Die on the Cross جسے کا اردو ترجمہ میں ''حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے''۔ کا نام دیا گیا ہے۔)

جناب اقدس! جرمن ریسرچ کا نونٹ نے مقدس کفن (جو اٹلی کے شہر ٹیورن میں ایک گرجا میں محفوظ ہے) پر اپنی تحقیقات اور ان کے نتائج دو سال ہوئے آپ کی خدمت میں بھیجے تھے اور عام لوگوں کو بھی آگاہ کر دیا تھا۔ گذشتہ چوبیس مہینوں میں جرمن یونیورسٹیوں کے عیسائی ماہرین اور پروفیسروں نے ہماری تحقیقات پر نکتہ چینی کی ہے اور ہمارے غیر معمولی انکشافات کو غلط ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ یہ ماہرین اور عام لوگ بڑی لیاقت، علم اور تجربہ کے مالک ہیں۔ اگر ہماری تحقیقات صحیح اور نتائج مکمل نہ ہوتے، تو ان کو با آسانی غلط ثابت کر سکتے تھے، مگر انہوں نے ہماری کاوشوں اور ان کے نتائج کو عیسائی اور یہودی دونوں مذاہب کے لئے اہم اور قابل غور قرار دیا ہے۔ ہم ان کی آراء تبصرے اور اخباروں کے تراشے دے کر اس خط کو لمبا کرنا نہیں چاہتے۔ ہماری تحقیقات اور نتائج تمام دنیا کے لیے ایک چیلنج کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔

ٹیورن میں محفوظ اس مقدس کفن کو پہلے کئی پوپ اصلی، محفوظ اور مقدس قرار دے چکے ہیں۔ اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتارنے کے بعد اس کفن کے کپڑے میں لپیٹا گیا تھا اور ان کا جسم اس کفن میں کافی دیر تک لپٹا رہا۔ اب اس کفن پر پڑے ہوئے جسم کے عکس اور خون کے دھبوں سے یہ تصدیق ہوتی ہے کہ جو جسم اس پر رکھا گیا تھا، وہ مردہ جسم نہیں تھا اور خون کے دھبے بہتے ہوئے خون سے آئے ہیں جن کو ایک ''زندہ'' دھڑکتے ہوئے دل نے زخموں کے راستے سے کفن کے کپڑے پر گرایا ہے۔ طبی اور سائنسی تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو مروجہ قانون کے مطابق صلیب پر جان سے مار دینے کا عمل مکمل نہیں ہوا تھا۔ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر عیسائیت کی موجودہ تعلیم اور عقائد غلط ہیں کہ حضرت مسیحؑ ایک لعنتی موت مر کر ہمارے گناہوں کا کفارہ کر گئے۔

عزت مآب! میری اب تک کی تحقیقات آپ کے سامنے ہیں آپ کو ماننا پڑے گا کہ مقدس کفن سے متعلق تحقیقات اس لحاظ سے بھی اہم ہیں کہ ان کی بناء غیر متنازعہ نا قابل تردید سائنسی اور تاریخی تحقیق پر ہے۔

۱۹۳۱ء میں پوپ پائیس (Pius XI) کی خاص اجازت سے اس مقدس کفن کی تصاویر اتاری گئی تھیں جن سے آئندہ مزید تحقیقات میں بڑی مدد ملی۔ اگر آپ اس تحقیق سے متفق نہیں ہیں تو ذیل کے وضاحت طلب امور کو پیش نظر رکھ کر ان خطوط پر مزید تحقیق کروائیں۔

۱۔ کفن کے کپڑے پر جو خون کے دھبے ہیں، ان کا خوردبین اور دیگر سائنسی آلات سے تجزیہ کروایا جائے اور خون کا کیمیاوی امتحان بھی ہو جائے۔

۲۔ ان خون کے دھبوں کی پرکھ ایکسن زیز، انفراسرخ شعاعیں اور الٹراوائیلٹ شعاعوں کے ذریعہ سے کرائی جائے۔

۳۔ کفن کے کپڑے کا آئیٹم واچ اور کاربن (Kallenstoff.14) کے ذریعہ سے امتحان کروائیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ کس زمانہ میں بنایا گیا۔ اس امتحان کے لیے صرف ایک دو سینٹی میٹر چوڑا ٹکڑا کفن کی لمبائی کے ساتھ ساتھ اتارا جاسکتا ہے جس سے کفن اور اس پر جسم کے ضروری نشانات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

آپ کے سوا کوئی اور عیسائی اس متبرک و مقدس کفن کے متعلق تحقیق نہیں کروا سکتا۔ ہمارے جرمن ریسرچ سنٹر یا دیگر ذرائع سے جو تحقیقات اب تک ہوئی ہیں اگر آپ ان کو رد کرنا چاہتے ہیں، تو پہلے اس کے متعلق صحیح سائنٹیفک تحقیقات کروالیجئے۔

میرے نزدیک اس کی کوئی وجہ نہیں کہ چرچ مقدس کفن پر تحقیق کی اجازت نہ دے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ ایک مذہبی یادگار سے متعلق تحقیق کی اجازت کسی خوف کی وجہ سے نہیں دی گئی۔ آخر اس میں خوف کی کونسی بات ہے جب ہم نے ان تحقیقات کو شائع کرنے میں حد درجہ ایمانداری سے کام لیا ہے اور تحقیق کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی ہمارے ان انکشافات کو رد نہیں کرسکتا۔ ہمارا دنیا کو یہ کھلا چیلنج ہے

ان پختہ دلائل کے ہوتے ہوئے عزت مآب آپ بھی دعا کریں اور ہماری استدعا کو قبول فرماتے ہوئے کفن کے بارہ میں پوری چھان بین کا حکم بھی صادر فرمائیں۔ مجھے امید ہے متعدد عیسائی ادارے اس معاملہ میں آپ کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ خصوصاً کیتھولک چرچ کے پیرو آپ سے توقع رکھتے ہیں کہ اس نازک اور پیچیدہ مسئلہ کو سلجھائیں اور ضروری احکامات جاری فرمائیں۔

آپ کا خادم

کرٹ برنا

اس درخواست کا جواب پوپ جان نے کیتھولک چرچ، جرمنی کے ذریعہ سے دیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

باڈگڈسبرگ (Bad Godesberg)

۱۳ جولائی ۱۹۵۹ء مسٹر کرٹ برنا

سٹیٹگارٹ نمبر ۱۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۸۳

حوالہ چھٹی ۱۲۸۶۶

’’آپ کی درخواست ٹیورن کے مقدس کفن کے بارہ میں موصول ہوئی۔ مقدس پوپ کے اسٹیٹ سیکریٹریٹ کی طرف سے اطلاع ملی ہے کہ ہز ہائنس کارڈینل ماریلیوفوسائی Maurilio Fossati آرچ بشپ آف ٹیورن نے آپ کی درخواست قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔‘‘

آپ کا فرمانبردار

جی، ڈیل ایم، گائیڈ وڈیل میٹری

مقدس کفن کے متعلق غالب امکانات کا تجزیہ

ٹیورن سے جو کتابچے مل سکے ان میں سے ایک میں ’’مقدس کفن‘‘ پر منعکس تصویر کے متعلق ذیل کا دلچسپ تجزیہ کے اردو ترجمہ کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

کچھ عالموں نے ’’غالب امکانات‘‘ کے امتحانی طریق تجزیہ کو استعمال کرنے کا سوچا تاکہ کوشش کی جائے کہ مقدس کفن پر جس شخص کی شبیہہ کا عکس ہے وہ کس قابل اعتماد حد تک حضرت مسیحؑ کی شکل سے ملتا جلتا ہے۔ یہ ’’غالب امکانات‘‘ کا امتحانی تجزیہ علم ریاضی کا ایک طریق ہے جس کا تعلق اعتماد کے درجہ کا ممکن حد تک حساب لگانا ہے جس کے ذریعہ ایک حقیقت کی تصدیق کی جاسکے۔

آیئے اب ان چیدہ چیدہ خصوصیات کو جانچا جائے جو حضرت مسیح اور کفن پر شخص میں مشترک ہیں:

۱۔ کفن پر شخص اور حضرت مسیحؑ کو سوتی کے کپڑے میں موت کے بعد لپیٹا گیا۔ پرانے وقتوں میں ایسا شاذ ہی ہوتا تھا۔ خاص طور پر ایک مصلوب شخص کے لئے زیادہ تر ایسے حالات میں مصلوب لوگوں کی لاش کو صلیب پر ہی جنگلی جانوروں کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یا زیادہ سے زیادہ عام قبرستان میں دفن کردیا جاتا تھا۔

۲۔ کفن پر شخص اور حضرت مسیحؑ کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی اور ہمارے علم میں کوئی ایسی دستاویز نہیں جو اس طریق عمل کی تصدیق کرسکے کہ کیا ایسا عمل یا دستور اس وقت رومن یا دوسری قوموں میں موجود تھا۔

۳۔ کفن پر شخص نے حضرت مسیحؑ کی طرح کندھے پر کوئی بہت ہی بھاری چیز اٹھائی ہوئی تھی۔ یہ بھاری چیز صلیب کی وہ چوڑائی کے رخ والی لکڑی ہی ہوسکتی ہے۔ جس پر بعد میں ان کو کیلوں سے لٹکایا گیا تھا۔

۴۔ کفن پر شخص اور حضرت مسیحؑ کو کیلوں سے لٹکایا گیا تھا۔ یہ طریق صرف اس وقت اختیار کیا جاتا تھا جب کسی کو سرکاری طور پر صلیب دی جاتی تھی۔ لیکن اکثر حالات میں مجرموں کے ہاتھوں اور پاؤں کو رسیوں سے باندھ دیا جاتا تھا۔

۵۔ کفن پر شخص اور حضرت مسیحؑ دونوں کو وفات کے بعد جسم کے ایک طرف کسی چیز سے چھیدا گیا لیکن ان کی ٹانگوں کو توڑا نہ گیا۔ مصلوب کی ٹانگوں کو توڑ دیا جاتا تھا تاکہ اس کی موت جلد واقع ہو جائے۔ یوحنا کی انجیل میں بھی یہی تفصیل لکھی ہے۔

۶۔ جونہی صلیب سے اتارا گیا کفن پر شخص اور حضرت مسیحؑ دونوں کو سوتی کے کفن میں لپیٹا گیا۔ پیش تر اس کے ان کے جسم کو نہلایا یا اس پر کوئی روغنی لیپ لگایا گیا تھا۔ یہ امر اس وقت کے دستور کے مطابق نہ تھا۔ عام طور پر تدفین سے پیشتر میت کو نہلایا جاتا اور اس پر روغنی مسالہ لیپا جاتا۔ اس کے بعد ہی اس کو کفن میں لپیٹ کر دفنایا جاتا۔ اس لحاظ سے یہ ایک غیر معمولی بات تھی جہاں بعض بیرونی حالات کی وجہ سے میت کو جلدی جلدی دفن کر دیا گیا تاکہ ظاہر کیا جائے کہ واقعی تدفین ہو گئی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ میں ہم جانتے ہیں کہ ان کو سوتی کے کپڑے میں لپیٹا گیا اور صلیب سے اتارنے کے فوراً بعد شام سے پہلے پہلے ایک قبر میں رکھ دیا گیا جبکہ یہودیوں کا سبت شروع ہونے والا تھا جس دوران کوئی کام ہاتھ سے کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ صحیح تدفین عورتوں نے دو دنوں کے بعد کرنا تھی۔

۷۔ کفن پر شخص اور حضرت مسیحؑ دونوں بہت کم وقت کے لئے سوتی کے کفن میں رہے۔ اس عکسی شبیہہ کو جو ہم آج دیکھتے ہیں اس کو منعکس ہونے کے لئے جسم کو سوتی کے کفن میں کم از کم 24 گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ 2 یا 3 دن تک رہنا ضروری تھا۔ ورنہ اس کے بعد میت کے خراب ہونے کا عمل شروع ہو جاتا اور اس کی وجہ سے عکس برباد ہو جاتا ہے اور اس صورت میں اس کے واضح اور قابل شناخت داغ آج تک سوتی کے کپڑے پر نظر آتے۔ اس کے برخلاف ایسے کوئی داغ کفن پر موجود نہیں ہیں۔ ایسی کسی بات کی غیر موجودگی حیران کن ہے کیونکہ یہ بالکل غیر ضروری دکھائی دیتا ہے کہ ایک میت کو سوتی کے کپڑے میں لپیٹا جائے جو پرانے زمانے میں عام طور پر نہیں کیا جاتا تھا۔ پھر اس کو ایک کھلی قبر میں رکھا جائے اور پھر تھوڑے وقت کے بعد اس کو وہاں سے نکال لیا جائے۔ حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتارنے کے فوراً بعد چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ پھر 40 گھنٹے سے بھی کم وقت کے بعد جبکہ قبر کے باہر محافظ پہرا دے رہے تھے۔ صرف سوتی کا کپڑا ملا اور جسم وہاں موجود نہ تھا۔

ان سات خصوصی باتوں میں سے اگر ہر ایک کو پیش نظر رکھا جائے تو ایک غالب امکان جو کفن پر موجود شخص کی شبیہہ اور حضرت مسیحؑ میں مشترک ہے کا تجزیہ کیا جائے تو سب سے زیادہ وقعت ان خصوصیات کو دی جائیں گی جو ایک مصلوب شخص میں موجود ہو سکتی ہیں اور کم وقعت ان خصوصیات کو دی جائے گی جو شاذونادر ہوتی ہیں یعنی ان کا ایک مصلوب شخص پر اطلاق بے حد مشکل ہے۔ ریاضی کے اس طریق تجزیہ کا آخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام سات غالب امکانات جن کی دونوں میں تصدیق ہو رہی ہے یعنی دوسرے الفاظ میں کہ یہ سات کے سات خصوصیات ایک ہی شخص میں پائے جاتے ہیں۔ جس نے صلیب کی تکالیف اٹھائیں۔ یعنی 2 کروڑ لوگوں میں سے جن کو صلیب دی گئی ہو صرف ایک شخص پر یہ تمام خصوصیات منطبق ہوتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ 2 کروڑ لوگ جن کو صلیب دی گئی ان میں سے صرف ایک شخص ایسا ہو سکتا ہے جس پر یہ ساتوں خصوصیات کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اور جو کفن پر موجود شخص اور حضرت مسیحؑ میں مشترک ہیں۔ اس طرح یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی۔ کہ تاریخ میں دو کروڑ لوگوں میں سے مشکل سے چند لاکھ لوگوں کو صلیب دی گئی ہو گی۔ حساب کے طریق سے ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ کہ اس حقیقت میں بہت زیادہ غالب امکانات ہیں کہ دنیا میں صرف ایک ہی ایسا مصلوب شخص ہے جس میں یہ سات کی سات خصوصیات پائی جاتی ہیں اور حقیقت میں کفن پر موجود شخص کی شبیہہ کو حضرت مسیح ناصری ہی ہونا چاہیے۔" (ماخوذ از ہولی شراوڈ مصنفہ برونو باربرس، ڈائریکٹر انٹرنیشنل سینٹر آف سنڈونولوجی، ٹیورن، اٹلی۔ ص ص 21:18)

☆☆☆☆

اسلام کی اخلاقی اور سماجی تعلیمات

خطبہ جمعہ جامع دارالسلام لاہور، از چوہدری ریاض احمد صاحب

خطبہ ثانی میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ

''اللہ تمہیں عدل اور احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم یاد رکھو۔'' (۱۶:۹۰)

یاد رہے کہ ان آیات کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ ثانیہ کا حصّہ بنایا۔ اس میں جامع احکام ہیں جن پر چل کر قوموں کے اندر سماجی اور سیاسی امن پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے جمعہ کے خطبہ میں شامل کیا گیا ہے تا یاد دہانی ہوتی رہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطالب نے فرمایا یامُرُکُمْ بمکارم الاخلاق کہ میرے بھتیجے کی تعلیم میں کس قدر اعلیٰ اور مفید احکامات کا حکم دیا گیا ہے۔

حضورؐ دعوت تبلیغ کی خاطر حج کے موقع پر قافلوں کی طرف جاتے۔ ایک قافلہ میں ایک بڑا ادیب مفروق نامی آیا ہوا تھا۔ اس نے حضورؐ سے کہا: اِلٰی مَا تدعون یا اخا قریش! بھائی تم ہمیں کسی بات کی دعوت دیتے ہو۔ حضورؐ نے جواب میں یہی آیت سنائی۔ مفروق بول اٹھا۔ واللہُ دَعَوْتَ اِلٰی مَکارم الْاخلاق و محاسِن الْاَفْعال یعنی آپؐ ہمیں اعلیٰ اخلاق اور عمدہ کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہاں تین پہلو خیر کے اور تین شر کے بیان کئے گئے ہیں۔ خیر کے پہلو کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شر کے پہلو سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ برائی میں ملوث ہونا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ان احکامات پر روزمرہ زندگی میں اگر عمل کیا جائے تو معاشرے میں تمام برائیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اور نیک اعمال اور اچھے تعلقات میں ترقی ہو سکتی ہے۔

عدل کا مفہوم

عدل کے لفظی معنی توازن برقرار رکھنا اور افراط اور تفریط سے بچنا ہے۔ عدل یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا۔ عدل کی اہمیت کو قرآن کریم نے یوں وضاحت فرمائی ہے: ''ہم نے تمہیں اعتدال پسند امت بنایا ہے۔'' (۲:۱۴۳)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل و انصاف پر چلے۔ لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں عدل سے کام لینے سے گھر میں، سوسائٹی میں اور پھر مملکت میں امن اور بھائی چارے کی فضا قائم ہوتی ہے۔

عدل کا قیام

اسی طرح خاوند بیوی کی ضروریات پوری کرنے میں کمی نہ کرے، بچوں کے ساتھ مساوی سلوک رکھے اور بیوی خاوند کی خدمت گذاری، گھر کی ذمہ داری ادا کرنے اور بچوں کی تربیت اور نگہداشت میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔ مالک اپنے نوکر کو طے شدہ معاوضہ ادا کرے اور نوکر مطلوبہ کام دیانت داری سے کرے۔ سرکاری ملازمین اپنے ذمے کام کو خوش اسلوبی سے انجام دیں اور وقت ضائع نہ کریں۔ دکاندار ناپ تول میں کمی نہ کرے اور ناجائز منافع نہ کمائے۔ قرآن مجید کا حکم ہے ''ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔'' (۶:۱۵۳)

'' اور جب تم بات کہو تو عدل کرو اگرچہ قریبی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ اس کا تم کو حکم دیتا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔'' (۶:۱۵۲)

نبی کریمؐ کے زمانہ میں قبیلہ قریش کی ایک معزز عورت نے چوری کا ارتکاب کیا۔ مقدمہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ لوگوں نے اسامہؓ کے بیٹے زیدؓ کو سفارش کرنے کو کہا۔ کیونکہ حضورؐ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ انکوائری ہوئی اور وہ عورت مجرم نکلی۔ حضورؐ نے نہ صرف سفارش کو رد کیا بلکہ اسامہؓ کی سرزنش کی اور اس عورت کو سزا دلوا دی۔ اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا: ''تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ بڑے لوگوں کے جرم معاف کر دیتے تھے اور چھوٹوں کو سزا دلوا دیتے۔ فرمایا: خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جاتا۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی اعلان کیا کہ اگر کسی کمزور کا حق مارا جائے تو میں آرام نہیں کروں گا جب تک کہ طاقتور سے اسے اس کا حق نہ دلوا دوں۔ نبی آخرالزمانؐ کے بعد عدل و انصاف کے معاملہ میں حضرت عمر فاروقؓ کا دور اپنی مثال آپ ہے۔ آپؓ کے دور میں عدل کا ایسا نظام قائم ہوا جس میں شاہ و گدا، امیر و غریب، اپنے اور بیگانے، مسلم و غیر مسلم، ہر فرد کے ساتھ پورا عدل و انصاف ہوتا۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک گھوڑا اس شرط پر خریدا کہ اگر یہ آزمائش میں پورا اترا تو لے لوں گا ورنہ واپس کر دوں گا۔ آپؓ نے گھوڑا سوار کے سپرد کیا کہ وہ اسے آزمائے۔ آزمائش کے دوران میں گھوڑا چوٹ کھا کر زخمی ہو گیا۔ حضرت عمر نے اسے واپس کرنا چاہا تو مالک نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے آپ کو زخمی گھوڑا نہیں بیچا

تھا۔ حضرت عمرؓ نے شریح بن حارث کو منصف مقرر کیا۔ شریح نے فیصلہ دیا کہ امیرالمومنین کو یہ گھوڑا رکھنا ہوگا اور پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔ حضرت عمرؓ اس فیصلہ سے اتنے خوش ہوئے کہ شریح بن حارث کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

پھر ایک دفعہ گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحب زادے عبداللہ نے ایک مصری شخص کو بلاوجہ مارا۔ وہ اپنی شکایت لے کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ آپ نے فوراً دونوں باپ بیٹا کو طلب کیا۔ شکایت درست ثابت ہونے پر گورنر کے سامنے گورنر کے بیٹے کو کوڑے لگوائے۔

اللہ کے ساتھ انسان کا عدل یہ ہے کہ وہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے

احسان: اردو میں اس کے معنی اچھا کام کرنا یا کام کو ذوق وشوق سے کرنا ہے۔ اس میں حسن اور رعنائی پیدا کرنا۔ کسی کام کو جی لگا کر عمدگی اور سلیقہ سے کرنا۔ عربی میں احسان کے معنی حسن سلوک، مدد کرنا اور دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا ہے۔ لفظ احسان کی نبی کریمؐ نے یوں وضاحت فرمائی:

اَنْ تعبُدَ اللّٰہ کَاَنَّکَ تَرَا فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَا فان یَرَاک یعنی "تو خدا کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو سمجھو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ آنخضورؐ کا ارشاد پاک ہے: ہر عمل کو اپنا آخری عمل سمجھ کر خوبی سے ادا کرنا چاہئے جس سے اللہ راضی ہو جائے اور یہی احسان ہے۔

احسان ایسا وصف ہے جو عدل سے ایک درجہ بڑھ کر ہے۔ عدل مساوات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر کسی شخص کا حق دلایا جائے۔ احسان صرف دوسرے کے استحقاق کو نہیں چاہتا بلکہ فیاضی اور دریا دلی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ برائی کے بدلے اس کے اعمال نامے میں صرف ایک ہی بدی لکھی جائے لیکن اگر وہ نیکی کرے تو وہ دس نیکیاں شمار ہوں، یہ احسان ہے۔

پس قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کسی کو برائی کی سزا دینی ہو تو وہ اس برائی سے بڑھ کر نہ ہو۔ یہ عدل ہوگا لیکن اگر مظلوم مجرم کو معاف کر دے تو یہ احسان میں شمار ہوگا۔

احسان کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر قرآن نے احسان کرنے کا بہت جگہ ذکر کیا ہے۔ سورۃ قصص میں ارشاد ہوتا ہے: "اور احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا۔" (۲۸:۷۷)

اللہ تعالیٰ کے احسانات انسان پر اتنے ہیں کہ ان کا شمار کرنا محال ہے۔ ان عنایات کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتلایا ہے کہ ہم نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں مثلاً جان، مال، علم اور ہنر وغیرہ ان کو ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرو۔

اسی طرح فرمایا: "تم احسان کرتے چلے جاؤ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۹۴:۵)

یہ وہ لوگ ہیں جو بن مانگے دوسروں کی ضروریات پوری کرتے ہیں یا ان کے دکھ اور تکلیف کو دور کرتے ہیں یا ان کی بیماری اور تنگی میں ان سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ غریبوں کی بیٹیوں کی شادی کروا دینا یا قرضہ اتارنا بھی احسان ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مسیح موعودؑ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص کی بیماری کا خط آیا ہے۔ فرمایا آپ جا کر اس کی خبر لے آئیں اور ساتھ رقم بھی دی کہ میری طرف سے ان کے لئے دوائی کا بندوبست بھی کر دیں۔

قرآن کریم نے نیکی اور احسان کرنے کے طریقوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

"اگر مقروض ہو تو فراخی تک مہلت دینی چاہیے اور اگر تم خیرات کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔" (۲:۲۸۰)

حدیث: تم زمین والوں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا۔

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک وہ ہے جو مخلوق کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: "میری امت میں سے جو کوئی کسی کی ضرورت کو پورا کرے محض اس نیت سے کہ وہ مجھے خوش کرے تو اس نے مجھے مسرور کیا اور جس نے مجھے مسرور کیا تو اس نے خدا کو مسرور کیا اور جس نے اللہ کو مسرور کیا وہ جنت میں جائے گا۔

نبی کریمؐ احسان کی کامل تصویر تھے۔ حد تو یہ کہ آپؐ اپنے سخت ترین دشمنوں سے بھی احسان فرماتے۔

نبی کریمؐ اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف کے سرداران کے پاس تشریف لے گئے جنہوں نے آپ کے پیغام کو نہ صرف یکسر رد کر دیا بلکہ انہوں نے بدمعاش لوگوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا ورانہوں نے پتھر مار مار کر آپ کو لہولہان کر دیا۔ اسی وقت حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کہا کہ آپؐ حکم دیں تو وہ پہاڑ کو ان پر گرا دیں۔ آپؐ نے منع فرمایا صرف اس خیال سے کہ ان کی اولاد ایمان لائے گی اور ان کے لئے دعا کی کہ مولا! ان کو راہ راست دکھا۔

فتح مکہ کے وقت جب آپؐ شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں وہ سب لوگ موجود تھے جنہوں نے آپؐ کو ایذائیں دی تھیں اور قتل تک کے منصوبے بنائے تھے۔ ان سب کو معاف کر دیا اور ابوسفیان جو آپؐ کا جانی دشمن تھا اس کو بھی امان دی اور یہ کہ جو اس کے گھر میں ہوگا اس کو بھی امان دی جائے۔

جنگ حنین میں چھ ہزار مرد اور عورتیں قید ہو کر آئے ان کو بغیر فدیہ لئے اور بغیر کسی شرط کے معاف کر کے آزاد کر دیا۔ بعض قیدی جو کسی کے حصہ میں آئے تھے ان کو معاوضہ دے کر آزاد کیا۔

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے بھائی کی مصیبت دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور کرے گا ور جو کوئی کسی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ اس کی حاجات کو پورا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: تم راست بازی کو ہرگز حاصل نہ کرو گے یہاں تک کہ اس سے خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو" (۹۲:۳)

کسی شخص نے نبی کریمؐ سے سوال کیا کہ مال کی محبت تو سب کے دلوں میں ہوتی

ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ جب تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور تمہارا دل تمہیں کہے کہ تمہاری اپنی بہت ضرورتیں ہیں۔ابھی بڑی عمر پڑی ہے نہ جانے کب ضرورت پڑ جائے تو سمجھو مال کی محبت کا اثر ہے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو حالت تندرستی میں دیا جائے۔قرآن مجید میں درج ہے: ''کون ہے جو اللہ کے لئے اچھا مال الگ کرلے تو وہ اسے اس کے لئے کئی گناہ بڑھاتا ہے'' (۲:۲۴۵)۔

حدیث: نبی کریمؐ نے صحابہ سے پوچھا فقیر کون ہے۔لوگوں نے کہا وہ آدمی جس کے پاس کوئی مال نہ ہو۔فرمایا نہیں، فقیر وہ ہے جس نے اللہ کے دربار میں کوئی مال اس کی راہ میں خرچ کر کے آگے نہیں بھیجا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''احسان کرنے والوں کو ہم بڑھ کر دیں گے۔پھر یہ بھی فرمایا کہ احسان کر کے جتاؤ نہیں کیونکہ اس سے اس کا اجر ضائع ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ستا کر باطل نہ کرو'' (۲:۲۶۴)۔

غرض انسانی زندگی میں احسان کی بے حد اہمیت ہے اور معاشرے پر اس کے گوناگوں خوش کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔کسی معاشرہ کی بقا اور استحکام کا انحصار جہاں اور بہت سی اخلاقی اقدار پر ہے وہاں صفت احسان بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔یہ ایسی صفت ہے جس سے دشمن دوست بن جاتے ہیں اور معاشرے میں امن اور بھائی چارہ کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔

وَ ایتاءِ ذی القربی: ان دو الفاظ میں اپنے مال کو رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔لیکن اس مختصر سے حکم کے ذریعہ باہم رحمی تعلقات کی اہمیت کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے۔اس مقام پر انسان احسان کے بدلہ احسان کا خیال دل میں نہیں لاتا۔اپنوں کے ساتھ دوسروں کی نسبت خرچ کر کے خوشی اور راحت محسوس ہوتی ہے۔

جن کو اللہ نے وافر مال دیا ہے ان پر اللہ نے کچھ ذمہ داری بھی ڈالی ہے۔حکم ہے جہاں تم اپنی ذات پر خرچ کرتے ہو وہاں تمہاری ذمہ داری ہے کہ اپنے عزیز رشتہ دار جو غریب یتیم یا نادار ہوں ان پر بھی نگاہ رکھو۔ایک اجنبی یا آپ کا ایک عزیز دونوں محتاج ہوں تو پہلے عزیز کو مقدم رکھو۔

یہاں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ کیوں اور کس طرح رشتہ داروں کی مدد کی جائے۔ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کی کفالت لازم ہوتی ہے۔ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے، یہ ایک شرعی اور قانونی ذمہ داری ہے جس کا بجا لانا ضروری ہے۔پھر خاندان میں جو امیر ہے وہ غریبوں پر حسن سلوک کرے۔وہ لوگ جو اپنے اہل خاندان کا خیال نہیں رکھتے انہیں بخیل کہا گیا ہے۔

ترمذی اور نسائی کی حدیث میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: (۱) دھوکا باز (۲) بخیل اور (۳) صدقہ دے کر احسان جتانے والا۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم رشتہ داروں کے حقوق پوری طرح ادا کرو خواہ وہ تم سے بدسلوکی سے پیش آئیں۔

ایک شخص نے حضورؐ سے کہا کہ میں اپنا باغ صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔فرمایا تمہیں تمہاری نیت کا ثواب مل گیا۔اب اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔

حاجت مند رشتہ داروں کی مدد کرنے میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اس طرح وہ دربدر کی ٹھوکریں کھانے سے بچ جائیں گے۔سرکار دو عالمؐ کی نگاہ میں اقارب سے حسن سلوک کی بڑی قدر و منزلت تھی۔

فحش: ہر وہ چیز فحش کہلاتی ہے جو بے حیائی کی برائی کی طرف مائل کرے اور جس سے قوت شہویہ جنم لے۔فحش میں جنسی بے راہ روی اور بدکلامی دونوں شامل ہیں۔ہر وہ عمل جو انسان کے جنسی جذبات کو ابھارے یا ان کی ترغیب کا باعث بنے وہ فحش میں شامل ہے۔موجودہ زمانہ میں T.V پر عریاں پروگرامز، ناول، بیہودہ لٹریچر، تصاویر، عورتوں کا نامناسب لباس وغیرہ فحش کے زمرے میں آتے ہیں۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: فحش جس چیز میں بھی ہو اسے بدنما بنا دیتا ہے۔اس کے مقابلہ میں حیا جس چیز میں بھی ہو اسے خوشنما بنا دیتی ہے۔

فحاشی سوسائٹی میں فساد کا باعث ہوتی ہے۔اس سے قتل، مقاتلہ پیدا ہوتا ہے، نفرتیں اور انتقام کی آگ بھڑکتی ہے۔نبی کریمؐ نے فرمایا: حیا اور ایمان جانور کے دو سینگوں کی طرح ہیں۔جانور ایک سینگ اٹھائے تو دوسرا خود بخود اٹھ جاتا ہے۔گویا حیا اور ایمان لازم و ملزوم ہیں۔اگر ہم شرم و حیا کا دامن چھوڑ دیں تو ایمان جاتا رہے گا۔

المنکر: ہر وہ کام ہے جس سے فطرت میں بگاڑ پیدا ہو اور سوسائٹی میں اس کام کو بری نگاہ سے دیکھا جائے۔

بغی: ظلم سے ہے۔انسان اخلاقی اقدار سے غفلت برتتا ہے اور دوسروں کا حق چھینتا ہے اور انہیں کم درجہ کا سمجھ کر اور ان کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے۔اس انسانی برائی کا اس آیت میں آخر میں ذکر کیا گیا کیونکہ ایک رنگ میں یہ سب برائیوں کی جڑ ہے۔جب ایک فرد میں اخلاقی اور سماجی قدروں کے خلاف بغاوت کا رویہ پیدا ہو جائے تو وہ ہر برائی کر گذرتا ہے۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ سے انسانی زندگی کے ہر پہلو میں ایک نیک تبدیلی پیدا ہوتی اور معاشرے میں روحانی اور اخلاقی روش ترقی پاتی ہے۔ہمیں چاہئے کہ ہم ان تعلیمات پر صدق دل سے عمل پیرا ہوں۔نیکی کے کاموں کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں تاکہ ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ جنم لے۔

مختصر رپورٹ: انگریزی سے ترجمہ۔ اویس عامر

حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترم عامر عزیز صاحب کا دورہ فجی

محترم عامر عزیز صاحب الازہری جنرل سیکرٹری، مرکزی انجمن احمدیہ لاہور 29 مارچ کو فجی کے نادی ایئر پورٹ پر پہنچے تو ان کے استقبال کے لئے مکرم صدرالدین ساہو خان صاحب موجود تھے۔ اسی وقت محترم ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک صاحب اور محترمہ ثمینہ ملک صاحبہ بھی امریکہ سے پہنچے۔ چنانچہ ان سب کو بیگم اور محترم صدرالدین ساہو خان صاحب اپنی کار میں سوا لے گئے۔ اسی دن حضرت امیر ایدہ اللہ بھی پہنچے۔ چنانچہ محترم عامر عزیز صاحب، فجی جماعت کے صدر محترم عبدالنسیم صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ اور مولوی فضل حق صاحب ان کو لینے ایئر پورٹ پر موجود تھے۔ بعد میں فجی جماعت کے جنرل سیکرٹری برادرم محبوب رضا صاحب اور محترم صدرالدین صاحب حضرت امیر ایدہ اللہ سے ملنے محترم عبدالنسیم صاحب کے گھر تشریف لائے۔

جمعہ کے دن پہلا اجتماع ہوا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے خطبہ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی۔ ان کے خطبہ کو سب لوگوں نے بے حد پسند کیا۔ خطبہ میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے جماعت میں اتحاد اور اس میں مضبوطی پیدا کرنے پر زور دیا۔ 2 اپریل 2010ء جمعہ کے بعد خاص کنونشن کا اجلاس شروع ہوا۔ تلاوت قرآن کریم ایک ہونہار نوجوان عبدالہاشم نے کی اور اس کا ترجمہ سنایا۔ اس کے بعد ایک نہایت قابل اور ذہین بچی صالحہ نے بھی تلاوت قرآن مجید کی اور پھر ایک نہایت عمدہ تقریر کی۔ جس سے سب حاضرین بے حد متاثر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ نے اس خاص کنونشن کا افتتاح فرمایا۔ مختصر خطاب کیا اور دعا فرمائی۔

اس کے بعد فجی احمدیہ انجمن کے صدر محترم عبدالنسیم صاحب نے استقبالیہ تقریر کی اور شرکاء اور بیرونی ممالک سے آئے ہوئے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد محترم عامر عزیز صاحب الازہری، جنرل سیکرٹری، مرکزی انجمن لاہور نے ''بیعت کی اہمیت'' کے موضوع پر تقریر کی۔ جماعت فجی کے لوگوں کا اصرار تھا کہ اس موضوع پر ضرور تقریر کی جائے اور اس کی اہمیت بیان کی جائے۔ عامر صاحب نے کمپیوٹر کے ذریعہ اس موضوع سے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کے حوالے بھی دیئے۔ سامعین نے اس تقریر کو نہایت دلچسپی سے سنا اور اس کے بعد تقریباً 50 مرد اور خواتین نے حضرت امیر ایدہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جس کی کچھ جھلکیاں ہم نے اپریل کے ''پیغام صلح'' میں شائع کی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس اجلاس کا اختتام ہوا۔ دوسرے اجلاس میں محترمہ ثمینہ ملک صاحبہ نے احمدیہ انجمن اوہائیو، امریکہ کی سرگرمیوں کا مختصر خاکہ پیش کیا اور بطور خاص ان تبلیغی کاوشوں کی تفصیل بتائی جن میں آج کل وہ انتہائی مصروف ہیں۔ اس کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ نے مرکزی انجمن کی طباعت، اشاعت، تعلیم، طبی سہولت، مقامی اور بیرونی جماعتوں کے دورے وغیرہ کے بارے میں تفصیلات بیان کیں جن کو لوگوں نے کافی دلچسپی سے سنا اور سراہا۔

3 اپریل 2010 بروز اتوار کو تلاوت قرآن کریم کے ساتھ اجلاس کی ابتداء ہوئی۔ محترم ڈاکٹر نعمان الٰہی صاحب نے چار گھنٹے کا ''زندگی بعد موت'' کے موضوع پر ایک کورس کیا۔ اس کورس کو لوگوں نے بے حد سراہا۔ اس کے بعد سوال و جواب کا سیشن بھی ہوا۔ اس کے بعد حضرت امیر ایدہ اللہ نے حضرت مسیحؑ کی وفات پر تقریر فرمائی جس میں قرآن مجید اور دیگر کتب سے حوالے پیش کئے۔ آپ نے تقریر نہایت دلچسپ طریق پر کی اور لوگوں نے بھی گاہے بہ گاہے اس میں سوال و جواب کی صورت میں شرکت کی۔

4 اپریل 2010 بروز سوموار کو 10 بجے صبح اجلاس شروع ہوا۔ محترمہ ثمینہ ملک صاحبہ نے فلپائن میں تبلیغی سرگرمیوں اور ایک مرکز قائم کرنے سے متعلق تفصیلات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ پھر محترم عمران ساہو خان صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی ایک نظم نہایت ترنم سے اثر انگیز طریق پر سنائی۔

محترم محبوب رضا صاحب نے ایک موثر تقریر فرمائی جس میں اس بات پر زور دیا کہ جماعت کے ہر فرد کو حضرت مسیح موعودؑ کے بتائے ہوئے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ انہوں نے اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اصل کامیابی محنت سے کام کرنے سے حاصل ہوتی ہے محض تجاویز اور تقاریر کرنے سے کوئی عملی نتیجہ نہیں پیدا ہوتا۔

پھر مولوی فضل حق صاحب نے قرآن مجید کی روشنی میں کامیابی حاصل کرنے کے طریق بتائے۔ اس کے بعد ایک نوجوان نے اسلام میں جمالیاتی ذوق پر ایک دلچسپ تقریر کی جس کو حاضرین نے بے حد پسند کیا۔ اجلاس کا اختتام حضرت

امیر ایدہ اللہ کے صدارتی ریمارکس اور دعا پر ہوا۔ اس اجلاس کو محترم صدرالدین ساہو خان صاحب نے بڑی محنت اور خوش اسلوبی سے ترتیب دیا اور اس کی نگرانی کی۔

مولوی فضل حق صاحب جو پاکستان سے گئے ہوئے ہیں، وہ بڑی محنت اور خلوص سے تبلیغی کام کر رہے ہیں۔ وہ جماعت کے لوگوں سے رابطہ رکھتے ہیں۔ ان کے بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے اور پھر مختلف گھروں میں درس بھی دیتے ہیں۔

نسوری کا دورہ

5 اپریل کو حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترم عامر عزیز صاحب الازھری نسوری پرائمری اور ہائی سکول دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کے ہمراہ فجی احمدیہ انجمن کے صدر محترم عبدالنسیم صاحب تھے۔ یہ دونوں سکول ایک بورڈ چلاتا ہے۔ حیرانگی کی بات تھی کہ چھٹی کا دن ہونے کے باوجود سکول کی سیکرٹری محترمہ سری یانہ صاحبہ کو جو ایک مقامی خاتون ہیں سکول میں کام کر رہی تھیں۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے ان کے شوق اور جذبہ کو بے حد سراہا اور مہمانوں کی کتاب میں اپنے تاثرات لکھے۔ (اس موقع کی تصویر بھی اپریل کے ''پیغام صلح'' میں شائع ہو چکی ہے) سکولوں کا معائنہ کرنے اور ان کی کارگذاری کی رپورٹ سن کر حضرت امیر ایدہ اللہ کو بے حد خوشی ہوئی کہ احمدیہ انجمن فجی تعلیم کے میدان میں بڑے منظم طریق پر کام کر رہی ہے اور جماعت اور مقامی لوگوں کو جو کہ کم استطاعت رکھتے ہیں تعلیم فراہم کر رہے ہیں۔

فجی جماعت کی اشاعتی سرگرمیاں

احمدیہ انجمن، لاہور فجی کتابچوں اور رسائل کی طباعت اور اشاعت کے سلسلہ میں قابل قدر کام کر رہی ہے۔ ان کا رسالہ ''پیغام حق'' نہایت باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور اس کو وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ جس میں سرکاری افسران، وکلاء صاحبان اور سرکردہ غیر احمدی احباب شامل ہیں ان کے شائع کردہ رسائل اور کتابچے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ بھی جاتے ہیں۔

اس دورے کی اہم بات ایک قادیانی مربی سے گفتگو بھی تھی جو ایک بڑی علمی اور دوستانہ ماحول میں ہوئی۔ جس سے اپنی جماعت کے احباب نے بھی فائدہ اٹھایا (اس گفتگو کے ایک منظر کی تصویر اپریل کے شمارہ میں شائع ہو چکی ہے)۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دورہ نہایت کامیاب رہا اور مرکز سے فجی جماعت کے ساتھ رابطے کو زیادہ مستحکم کرنے کے اہم منصوبوں کے متعلق فیصلے بھی کئے گئے جو انشاءاللہ مفید نتائج پیدا کریں گے۔

☆☆☆☆

سالانہ تربیتی کورس 2010ء

احباب جماعت خواتین، بچوں اور بچیوں کو دینی معلومات کو بڑھانے اور ان کی روحانی تربیت کے لئے ہر سال کی طرح اس سال بھی مرکزی انجمن کے زیر اہتمام تربیتی کورس منعقد کیا جا رہا ہے۔ اس کورس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی اقدار قائم رکھنے پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ اس سال تربیتی کورس کا انعقاد 20 جون تا 4 جولائی 2010ء ہوگا۔

مرکزی انجمن ہر سال کی طرح اس سال بھی خصوصی طور پر بیرون ملک سے بھی کسی بھائی کو اس تربیتی کورس میں لیکچر دینے کی دعوت دے گی۔ ان کے علاوہ لیکچر دینے والوں میں لائق اور قابل مبلغین اساتذہ اور ممبران جماعت بھی شامل ہوں گے۔

حسب دستور جامع دارالسلام لاہور کے وسیع ہال میں کورس کے منعقد کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ تمام شرکاء کے لئے طعام اور قیام کی سہولت مہیا کی جائے گی۔

تمام احباب خواتین، بچوں اور بچیوں کو اس کورس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔

جنرل سیکرٹری

احمدیہ انجمن لاہور

انتقال پر ملال

لاہور: احباب وخواتین جماعت کو یہ پڑھ کر دکھ ہوگا کہ دفتر احمدیہ انجمن کے سپرڈینڈنٹ جناب عبد القیوم صاحب کی بیگم محترمہ عصمت قیوم صاحبہ مورخہ 6 مئی 2010ء بروز جمعرات قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ ''بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جانا ہے'' آپ کی نماز جنازہ مورخہ 6 مئی بعد نماز عصر جامع دارالسلام میں پڑھائی گئی اور دارالسلام کے قبرستان میں ہی آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

آپ بے حد ملن ساز، ہمدرد اور سلسلہ عالیہ احمدیہ سے سچی محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ ہر ایک کے رنج وغم میں شریک ہوتی تھیں۔

احباب وخواتین سے درخواست ہے کہ مرحومہ کے لئے جنت میں بلند درجات اور پسماندگان کے صبر وجمیل کی دعا فرمائیں۔

مرتبہ: ریحانہ ریاض صاحبہ

جلسہ یوم وصال حضرت مسیح موعود علیہ السلام

تنظیم خواتین احمدیہ لاہور کے زیر اہتمام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جلسہ یوم وصال مورخہ 22 مئی 2010 جامع دارالسلام میں منعقد ہوا۔ سب نے مل کر درود شریف پڑھا۔ وجیہہ فرحان نے قرآن مجید کی تلاوت اور ترجمہ پڑھا۔ سیکرٹری صبیحہ سعید صاحبہ نے گزشتہ میٹنگ کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ اور مرحومہ بیگم عصمت قیوم کی وفات پر ان کے اہل خانہ کو بھیجا جانے والا تعزیت نامہ پڑھ کر سنایا۔

حلیمہ اسد صاحبہ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ملفوظات سنائے جو حضور صلعم پر لگائے گئے الزامات کے جواب میں لکھے گئے تھے۔ آپ نے اس میں فرمایا کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دو۔ صبر کرو۔ سچی بات کو نرمی سے کہو۔ "گالیاں سن کر دعا دو۔ پا کے دکھ آرام دو" طیبہ انوار احمد صاحبہ نے حضرت مسیح موعودؑ کا کلام "کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح" ترنم سے پڑھا۔

بیگم پروین چوہدری صاحبہ نے "مجدد کا ماننا کیوں ضروری ہے" کے موضوع پر تقریر کی اور بتایا کہ جس طرح نماز کی ادائیگی کے لیے امام ضروری ہے اسی طرح مجدد امام وقت ہوتا ہے۔ امام کا انتخاب تو لوگ کرتے ہیں۔ لیکن مجدد وقت کو اللہ تعالیٰ چنتا ہے۔ اسے الہام کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ مجدد ہر صدی کے سر پر آئے ہیں۔ اور چودھویں صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہیں۔ بیگم صباحت احمد صاحبہ نے حضرت مسیح موعودؑ کا سیفی جہاد کی ممانعت کے متعلق کلام پڑھا۔ فوزیہ حنیف صاحبہ نے اپنی تقریر میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اسلام کی مدافعت میں اعتراضات کا تحقیقی و علمی جواب کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ سیالکوٹ سے مسز رشیدہ ظفر صاحبہ نے بھی حضرت مسیح موعودؑ کا منظوم کلام "خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے" ترنم سے پڑھ کر سنایا۔ بیگم جسارت نذر رب صاحبہ نے اس بات کی تفصیلی وضاحت کی کہ چونکہ حضور صلعم نے فرمایا تھا کہ جو چودھویں صدی کے مجدد کو ملے اسے میرا اسلام کہے۔ اس لیے ہم ان کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہتے ہیں۔ آنسہ ثمرہ منیر صاحبہ نے منظوم کلام "ہر طرف فکر کو دوڑا کر تھکا یا ہم نے" پیش کیا۔ آنسہ منیبہ آفتاب نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ جب کبھی بھی اسلام عروج کے بعد کمزور حالت میں آیا تو مجددین نے ہر دور میں اس کی ترقی واصلاح کی۔ مجدد وقت مسیح زمان حضرت مرزا صاحب اور ان کی جماعت نے اس دورہ میں اسلام کی تبلیغ وترقی کے لیے گرانقدر کوششیں کیں ہیں اور اس کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آنسہ فرخندہ جمیل نے منظوم کلام "جمال وحسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے۔ قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے" اور ثوبیہ غفور صاحبہ نے اعظم علوی صاحب کی نظم "سلام اے رہنما دین وملت سلام" جو حضرت مسیحؑ کی وفات کے متعلق تھی۔ ترنم کے ساتھ پڑھی۔

دارالسلام کی بچیوں زینب، ثنا، حارثہ اور ایشا نے مل کر حضرت مسیح موعودؑ کی نظم "حمد وثنا اس کو جو ذات جاودانی۔ ہمسر نہیں ہے اس کا اور نہ ہی کوئی ثانی" سنائی۔ آخر میں تنظیم کی صدر محترمہ بیگم زبیدہ احمد صاحبہ نے تمام تقاریر کا خلاصہ بیان کیا۔ اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی تعلیمات کی اہم خصوصیات کو مختصراً بیان کیا۔ حضرت اقدس نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن کریم کو اپنا پیشوا بناؤ اور ہر بات میں اس سے رہنمائی حاصل کرو۔ قرآن کو دن رات کا وظیفہ بناؤ۔ خود آپ اس کا علم حاصل کرنے کے لیے بہت دعائیں کرتے اور ہر مسئلہ کا حل قرآن سے ڈھونڈتے تھے۔ ہزار مرتبہ سے زیادہ قرآن پڑھا۔ آپ کے تمام اقوال واعمال قرآن کے تابع تھے۔ درثمین کی اکثر نظمیں قرآن کی مدح وستائش میں ہی لکھی گئی ہیں۔

بیگم صاحبہ نے آخر میں فرمایا کہ یوم وصال کے جلسہ میں ہم نے اس عہد کی تجدید کرنی ہے کہ دین کو دنیا میں مقدم کرنا ہے۔

آخر میں دعا کے ساتھ اس جلسہ کا اختتام ہوا۔

☆☆☆☆

سابقہ مقدس کتب میں آنحضرت صلعم کی آمد اور صداقت کی پیشگوئیاں

تقریر متن محترمہ بشریٰ علوی صاحبہ

''اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعے سے عہد لیا۔ کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم نے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہا پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔'' (آل عمران 3:80:81)

نبیوں کا میثاق

یہ موعود نبی سوائے آنحضرتؐ کے اور کون ہوسکتا ہے؟ اس کی نشانی یہ بتائی کہ وہ اس روشن دلائل سے تصدیق کرے گا'' جو تمہیں خدا سے ملا'' یعنی کتاب اور حکمت (البقرہ 2: 4)۔ جہاں آپؐ پر نازل شدہ کتاب اور حکمت پر ایمان لانا ضروری ٹھہرایا گیا وہاں آپؐ سے پہلے جو کتابیں اور حکمتیں نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان لانا ضروری ٹھہرایا گیا۔

آپؐ ہی وہ واحد نبی ہیں جن کی کتاب نے بار بار فرمایا کہ ہر ایک قوم میں نبی اور رسول آئے۔ پھر آپؐ ہی وہ واحد نبی ہیں جو تمام نسل انسانی کی طرف رسول ہو کر آئے۔ کیا اس بلند مقام کے لئے قرآن پاک کے علاوہ بھی کسی الہامی کتاب سے اس عہدہ کی شہادت ملتی ہے۔ برنباس کی انجیل میں 11 جگہ اس کے حوالے موجود ہیں، جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں جو آپؐ کی صداقت کے زبردست نشان ہیں۔

مختلف مذاہب کے نبیوں نے اس عظیم نبی کی آمد کا ذکر'' آئندہ پناہ'' اور ''ساحل نجات تک پہنچانے والی کشتی'' سے کیا ہے۔

اس سلسلہ میں واضح ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''اے آفتاب! تو لوگوں کی فلاح کے لئے (100) چپوؤں والی کشتی پر چڑھا ہے۔ دن کے تو مجھے پار لے گیا۔ ویسے ہی مجھے رات کے پار پہنچا۔''

وید اور قرآن مجید پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ محمدؐ کو کتب مقدسہ میں آفتاب اور قرآن مجید میں سراجاً منیرا (روشن سورج) کہا گیا ہے۔ اس منترا میں سراجاً روشن سورج کو ہی کشتی کا ناخدا کہا گیا ہے۔

100 چپوؤں والی کشتی میں ارشاد قرآن مجید کی سورتوں کی طرف ہے۔ ہم سب کو علم ہے کہ قرآن پاک میں 114 سورتیں ہیں۔ عام طور پر محاورہ میں خاص طور پر بات کسی پیشگوئی یا آئندہ کے متعلق کی جارہی ہو تو استعمال کے وقت 100 کے اوپر کے اعداد کو چھوڑ دیا جاتا ہے یا تقریباً کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

دن کے پار اور رات کے پار لے جانے کا مطلب بدی سے بچانا اور نیکی کی راہ پر لے جانا ہے۔ یہ دونوں قسم کی آیات نہایت وضاحت سے قرآن پاک میں درج ہیں۔

برنباس کی انجیل

''پس میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول ایک شان ہے جو تقریباً سب کو جنہیں خدا نے بنایا ہے (رحمت اللعالمین) مسرت بخشے گا کیونکہ وہ آراستہ ہے فہم اور اصلاح کی روح سے، عقل اور طاقت کی روح سے، خوف اور محبت کی روح سے، دانائی اور اعتدال کی روح سے۔ وہ آراستہ ہے سخاوت اور رحم کی روح سے۔ انصاف اور تقوٰی کی روح سے، شرافت اور صبر کی روح سے۔ جو خدا نے اسے اپنی تمام مخلوق سے کئی گنا زیادہ عطا کی ہیں۔

کیا ہی مبارک ہے وہ وقت جب وہ اس دنیا میں آئے گا۔ یقین جانو میں نے اسے دیکھا ہے کیونکہ اس کی روح سے خدا نے اسے نبوت دی۔ اور جب میں نے اسے دیکھا تو میری روح تسکین سے بھر گئی۔ یہ کہہ کر کہ اے محمدؐ! خدا تیرے ساتھ ہو اور وہ مجھے اس لائق بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھول سکوں۔ کیونکہ یہ پا کر میں ایک بڑا نبی اور خدا کا قدوس بن جاؤں گا۔

''اب جبکہ تمام نبی آچکے ہیں سوائے خدا کے رسول کے! جو میرے بعد آئے گا کہ یہی خدا کی مشیت ہے اور یہ کہ میں اس کی راہ تیار کروں۔ اس پیشگوئی کی

طرف قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں ارشاد کرتا ہے: ''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں اس کی تصدیق کرتا ہوا جو میرے سامنے توریت سے ہے اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوا جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمدؐ ہے سو جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ صریح جادو ہے'' (ص 6:61)

جب نبی کریمؐ کی بعثت ہوئی تو یہی لوگ اسلام کے بدترین دشمن بن گئے مگر جب عربوں جیسی خونخوار اور اجڈ قوم ایک مہذب قوم میں بدل گئی تو ایک موقع پر عیسائی شہنشاہ قیصر روم کو اعتراف کرنا پڑا:

''یہ عرب جن کا پیشہ کل تک گداگری تھا اور ہم انہیں بطور خیرات کچھ دے دیا کرتے تھے آج اس قوت و شوکت سے ہمیں شکست پر شکست دیتے چلے آرہے ہیں۔ اور آج یہ لوگ ہمیں ہدایت سکھانے آئے ہیں۔''

نپولین بوناپارٹ کا کہنا ہے:

''کہ اصول قرآن کی حکومت اگر تمام ممالک میں قائم کردی جائے تو صرف اسی صورت میں بنی نوع انسان سچی خوشحالی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں۔''

لوگوں میں خدا کی مخلوق سے محبت اور خدا کا عشق پیدا ہو کر ہی محمدؐ کی بعثت کی سب سے بڑی کامیابی کا راز ہے۔ اور ہماری کامیابی کا دارومدار بھی آپؐ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے میں ہے۔ آپؐ نے لوگوں کو بدی اور جہالت کی نیند سے بیدار کر کے ترقی کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیا۔ جو لوگ چند سال پہلے تک اپنے پتھر کے معبودوں کو حفاظت کے لئے دوران سفر ساتھ لے جاتے تھے۔ آپؐ کی تعلیم سے پکے موحدین بن گئے حتیٰ کہ حضرت عمر صدیقؓ جو کسی زمانہ میں ہر پتھر کو اپنا معبود مانتے تھے۔ عقیدہ توحید میں وہ بلند مقام حاصل کرلیا کہ طواف کعبہ کے وقت یہ الفاظ ان کی زبان پہ جاری تھے کہ ''اے حجر اسود میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے اور اگر رسول اللہ نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں تجھے ریزہ ریزہ کرڈالتا''۔

تمام انسانوں کے لئے وہی شخص کامل نمونہ اور مثال قرار پاسکتا ہے جس میں وہ تمام اوصاف موجود ہوں جو ایک کامیاب زندگی کا ضامن ہوں۔ زندگی کی ساری عملی ضرورتیں اس ایک زندگی میں جمع ہوں۔ وہ تاجر ہو اور فقیر بھی ہو۔ بادشاہ بھی ہو اور سپہ سالار اور سپاہی بھی ہو۔ خاوند ہو تو معلم بھی ہو۔ تاکہ دنیا کا ہر انسان اس کے نقش قدم پر چل کر زندگی کے تمام پہلوؤں میں کامیاب ہوسکے اور کوئی انسان اس کے نمونہ پر چل کرنا کام اور نامراد نہ ہو۔

تاریخ کے صفحات اس بات کے گواہ ہیں کہ زندگی کا کوئی پہلو نہیں جس کا تعلق گفتگو، مجلسی آداب۔ صدق و ثبات۔ بخشش و فیاضی۔ عدل و مساوات ہر حالت میں آپؐ کا اسوہ انتہائی کامیاب اور قابل تقلید ہے۔ اس کامیابی کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنیادی خلق قرآن مجید میں رسول اکرم صلعم کو خطاب کرتے ہوئے یہ ہدایت کی: ''سو اللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم ہے۔ اور اگر تو سخت کلام، سخت دل ہوتا تو لوگ تیرے اردگرد سے بکھر جاتے۔ پس ان کو معاف کر اور ان کے لئے بخشش مانگ اور معاملات میں ان کا مشورہ لے۔'' (آل عمران 159:3)

یہی رسول اکرم صلعم کا خلق عظیم تھا جس نے ان کو وہ کامیابی عطا کی جو تاریخ عالم میں ایک مثال ہے۔ نبی کریمؐ کی اعلیٰ ترین روحانی قوت پر ایک روشن دلیل ہے۔ آپ نے اپنے عمل سے دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا۔ پہلے انبیاء کی طرح معجزات بھی آپؐ کے ذریعہ ظاہر ہوئے مگر ان سے مقصود کوئی عجوبہ پرستی نہ تھی بلکہ اللہ کی عظمت اور جلال کا اظہار تھا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ میں تو دوسرے انسانوں کی مثل ایک انسان ہوں میرے پاس کوئی خزانہ نہیں اور نہ ہی مجھے غیب کا علم دیا گیا ہے۔ عرب کے لوگ نہایت توہم پرست تھے آپؐ کی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات ہوئے جن سے لوگوں نے آپؐ سے ربانی طاقت منسوب کرنا چاہی۔ مثلاً جب آپ کے بیٹے ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تو اس دن سورج کو گہن لگا۔ بت پرستوں نے اسے آپؐ کے بیٹے کی وفات کی وجہ قرار دیا۔

اسی خیال سے عبرت پکڑ کر آپ کے پاس آئے اور دین اسلام میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی آپؐ نے اس موقع پر فائدہ اٹھانا اپنی شان کے خلاف جانا اور فرمایا! ''یقیناً آفتاب اور ماہتاب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں وہ نہ کسی شخص کی وفات پر گہن میں آتے ہیں اور نہ ہی کسی پیدائش پر''۔ معجزات اپنی جگہ مگر آپؐ کی عظمت ان زبردست اصلاحی کارناموں کی وجہ سے ہے جو آپؐ نے دنیا میں برپا کیے۔

☆☆☆☆

حضرت بابا گرونانک جی کے سفر —— ۴

ہندو مقدس مقامات میں قیام

از سید افضل حیدر، سینئر ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ آف پاکستان

ہردوار میں قیام

یہاں سے گرونانک جی ہردوار گئے جہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ دریائے گنگا کے کنارے کھڑے ہو کر مشرق کی طرف پانی پھینک رہے ہیں۔ گروجی نے وجہ دریافت کی تو لوگوں نے جواب دیا: ''ہم پرلوک سدھارے ہوئے یعنی دوسرے جہاں پہنچے ہوئے اپنے مرحوم بزرگوں کو اس مقدس دریا کا پانی بھیج رہے ہیں تاکہ ان کی آتمائیں آنند یعنی روحانی خوشی سے رہیں۔'' یہ سنتے ہی گروجی نے مغرب کی طرف پانی پھینکنا شروع کر دیا۔ وہاں موجود لوگ نانک جی کے اس غیر معمولی فعل سے بہت پریشان ہوئے اور مغرب کی طرف پانی پھینکنے کی وجہ پوچھی۔ گروجی نے جواب دیا: ''میں ہندوستان کے شمال مغربی حصّے سے تعلق رکھتا ہوں وہاں میری جائے پیدائش کے قریب ایک باغ ہے۔ میں اسے یہاں سے پانی دینا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بعد وہاں خشک سالی نہ آ گئی ہو۔'' وہاں موجود پجاری اس معصومانہ جواب پر ہنسنے لگے اور کہا کہ تم اتنے بالغ اور باشعور تو ضرور ہو کہ یہ سامنے کی بات کو سمجھ سکو کہ تمہارا پھینکا ہوا پانی تمہارے باغ تک نہیں پہنچ سکتا۔'' نانک جی نے جواب دیا: ''تم بہت عجیب بات کر رہے ہو میرا پھینکا ہوا پانی تو چند سو میل دور نہیں جا سکتا جبکہ تمہارا پھینکا ہوا پانی دوسری دنیا تک پہنچ جاتا ہے''۔ تمام لوگ یہ بات سن کر سناٹے میں آ گئے اور اپنے عقیدے پر نانک جی کے جرأت مندانہ اعتراض اور اس میں پنہا ناقابل تردید منطق پر ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ نانک جی نے انہیں تبلیغ کرتے ہوئے کہا: ''جو خدا کو یاد رکھتا ہے اور صحیح راستے پر چلتا ہے اس کی روح نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی پرسکون رہتی ہے۔ ایسے شخص کے معاملے میں رب کو راضی کرنے کے لیے کسی رسم ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

ایک جگہ پر جب گرونانک جی ایک برہمن کے باورچی خانے میں داخل ہوئے تو اس نے غصے سے آگ بگولا ہوتے ہوئے پوچھا کہ نانک جی نے اپنی آمد سے اس رسوئی کو ناپاک کیوں کیا ہے؟ اس پر گرونانک جی نے جواب دیا: ''تمہارا باورچی خانہ تو پہلے ہی تم جیسے غصیلے شخص کی موجودگی کے باعث پلید ہے کیونکہ تم نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے اپنے ہی جیسے انسانوں سے اس قدر نفرت کرتے ہو کہ صرف ان کی موجودگی سے ہی تمہارا گھر ناپاک ہو جاتا ہے۔'' اس سچ بیانی نے برہمن کو اور بھی برہم کر دیا۔ تب گروجی نے کہا: ''ڈھول بجانے والی عورت کا نام جہالت ہے، قصاب کی بیوی کا نام ظلم و تشدد، بہتان طرازی کرنے والا دل بھنگی اور وہ غصہ جو دماغ کو تباہ کر دیتا ہے، اس کی مثال ایک چمار کی سی ہے۔ اے برہمن! اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ تم ان چاروں نچلی ذاتوں سے نفرت کر کے اپنے دل کو تو ناپاک کر لو لیکن اپنے باورچی خانے میں ان کے آنے کو منحوس خیال کرو۔''

پھر نانک جی نے برہمن سے کہا: ''سچائی اپنے نفس پر ضبط کرنے، اچھے اعمال اور خدا کے نام کی تسبیح کرنے کو اپنی طہارت خیال کرنے میں ہے تاکہ معبود کے پاس اسے شرف قبولیت مل جائے۔ خدا کا نام لینے سے طہارت ہوتی ہے۔''

کرشن لیلا کا ڈرامہ

سفر کے دوران بابا نانک جی ہندوؤں کے ایک اور انتہائی مقدس مقام درنداانہ پہنچے۔ وہاں آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مہاراج کرشن کی زندگی پر ایک ڈرامہ 'کرشنا لیلا' پیش کر رہے ہیں۔ وہ ان لوگوں سے بہت مایوس ہو گئے کیونکہ وہ کسی مذہبی جذبے یا نیکی کی خاطر ڈرامہ نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کا مقصد لوگوں کو خوش کر کے پیسے کمانا تھا۔ وہاں گرونانک جی نے کہا: ''چیلے ساز بجا رہے ہیں اور گورو رقص کر رہے ہیں۔ ان کے پاؤں اور سروں کی حرکات بہت تیز ہیں۔ اور دیکھو وہ دیوانوں کی طرح اپنے بالوں پر مٹی پھینک رہے ہیں۔ یہ سب کچھ مجمع کو خوش کرنے کے لیے ہے۔ وہ اپنی طمع کی تسکین کے لیے وقت ضائع کر رہے ہیں۔ وہ گوپی، کرشنا، سیتا اور رام کی داستانوں کے بعض حصوں کو پیش کر رہے ہیں۔ لیکن خدا کا حقیقی خدمت گار وہی ہے جس پر اس کا کرم ہے۔

خدا کا ایسا بندہ شبنمی صبح کو ذہن میں ایک جذبے کو لے کر بیدار ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑے دانا کی دانائی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ باقی لوگوں کا رقص ایسے ہی ہیں جیسے بیجوں کا تیل نکالنے کے لیے ان پر اچھل کود کی جائے یا جیسے دھاگا بننے والے پہیے، یا پھر ہاتھ کی چکیاں اور کمہار کے چاک ہوتے ہیں۔ اور جیسے صحراؤں اور پہاڑوں میں نہ تھمنے والے بگولے ہوتے ہیں۔ اور جیسے دودھ بلونے اور اناج اگانے

کے آلات ہوتے ہیں۔ اور جیسے پرندے ہوں جن کی پرواز میں آرام کا کوئی مقام نہ ہو۔ اچھل کود اور رقص کرنے والے لوگ ان گنت ہیں۔ جو اپنی عادتوں میں مجبور ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے اس طرح رقص کرتے ہیں۔ آخر کار ماتم ہی کرتے ہیں۔ جو لوگ دور دراز تک اڑان نہیں کرتے اور نہ ہی معجزانہ شخصیت بنتے ہیں تو ایسا رقص کرنے والے لوگ خدا کو خوش کرنے کی بجائے محض تفریح کرتے ہیں۔ اے نانک خدا صرف اسی شخص سے محبت کرتا ہے جو اس سے ڈرتا ہے۔"
(ص:465)

ملتان میں قیام

اپنی دوسری "اداسی" یا سفر سے واپسی پر بابا نانک جی نے ملتان کا دورہ کیا۔ ملتان تاریخ کے مدوجذر کا شکار ہونے کے علاوہ ہمیشہ صوفیاء کا مرکز رہا ہے۔ اس وقت بھی یہاں بیک وقت کئی صوفی، ولی اور درویش موجود تھے۔ بابا نانک جی کی آمد کی اطلاع پاتے ہی ملتان کے صوفیا ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے اور ان کے راستے میں دودھ بہا کر استقبال کیا۔ جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ شہر پہلے ہی مذہبی مبلغین کا گڑھ تھا۔ بابا نانک جی نے دودھ کے ایک پیالے میں موتیے کے پھول کی چند پتیاں ڈال دیں جو اس بات کی علامت تھا کہ انہیں ابھی تک ایسی کٹیا کی تلاش ہے۔ جہاں خلوص میسر ہو۔ بھائی گرداس کا بیان ہے کہ انہوں نے پھول کی پتیوں کو دودھ میں ایسے ملا دیا جیسے گنگا اور سمندر کا پانی۔

طویل سفر کے بعد گرونانک جی پنجاب واپس پہنچے اور دریائے راوی کے کنارے کرتار پور کے مقام پر ڈیرہ ڈالا۔ یہاں انہوں نے اپنی زندگی کے اٹھارہ برس بسر کیے۔ "جنم ساکھی" کے مطابق یہ وہ عرصہ تھا جب ان کے چیلوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔ یہاں لوگ لنگر کے لیے آتے اور ہر ذات کے لوگ اکٹھے قطاروں میں بیٹھتے۔ وہ اپنے آپ کو عوام اور سماج کی "سیوا" کے لیے مختص کر دیتے۔ گرو جی کے درس سنتے اور مل کر بھجن گاتے۔ بابا نانک جی ان کے لیے روحانی مصروفیات سے وقت نکالتے، کھیت میں کام کرتے اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتے۔

اس دور کا سب سے اہم واقعہ کرتار پور میں لہنا کی آمد بیان ہوتا ہے، جو چیلے کی حیثیت سے آیا اور گرو کا جانشین منتخب ہوا۔ لہنے کو جانشین مقرر کرنے کے بعد بابا نانک جی ان کے سامنے کھڑے ہوئے، پانچ تانبے کے سکے ان کی نذر کیے، ان کی قدم بوسی کی اور انہیں گروانگد کے نام سے پکار کر ہر آنے والے گرو کی تقدیم و تکریم کی روایت قائم کی۔ اور یہ تعلیم بھی دی کہ گرو ہمیشہ زندہ ہوتا ہے اور اس کے سامنے جھکنا ہی بڑائی ہے۔

زندگی کے آخری لمحات

روایات میں بابا نانک جی کی زندگی کے آخری لمحات کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ: "ہم انہیں دفن کریں گے۔" ہندو کہتے تھے کہ "نہیں ہم جلائیں گے۔" بابا نانک جی نے سب کو اکٹھا کیا۔ ہندو دائیں طرف اور مسلمان بائیں طرف تھے اور انہیں کہا کہ اب پھول پھینکو۔ پھول پھینکے گئے۔ پھر سب سے کہا کہ خدا کی حمد و ثناء کرو۔ اس کے بعد انہوں نے چادر اوڑھ لی۔ جب چادر اٹھائی گئی تو وہاں پھولوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے پھول بالکل تازہ تھے۔

جنم ساکھیوں کے مطابق گرونانک جی اعلیٰ مبلغ، شریف النفس، بردبار، محبت اور عنائتوں سے مالا مال تھے جنہوں نے اپنے دور کے شعور کو ایک نیا رخ دینے کی کوشش کی۔ وہ ناانصافی اور ظلم کے خلاف احتجاج کرتے رہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ بابا نانک جی نے جانشین ہونے کے لیے منفرد معیار مقرر کیا۔ مثلاً گرونانک جی کے پہلے جانشین گروانگد ان کے چیلوں میں سے تھے۔ اس انتخاب میں گرو نے اپنے بیٹے کو نظر انداز کر دیا اور جس چیلے کو گرو چنا گیا اسے پہلے گرو کے مساوی مرتبہ دیا گیا۔ بابا نانک جی نے انہیں اپنی تمام ذمہ داریاں سونپ دیں۔ روشنی اور شعر کہنے کی صلاحیت بھی نئے گرو کو عطا کر دی جو نانک جی کا خاصہ اور طرۂ امتیاز تھی۔ بابا نانک جی نے لہنا کو چیلا بنایا لیکن پھر گرو کی حیثیت سے اس کی تعظیم کی۔ یہ سلسلہ اسی طرح آٹھ نسلوں تک چلا۔ دس گروؤں کو آج بھی ایک جیسی عزت اور تعظیم دی جاتی ہے۔ سکھوں کا ایمان ہے کہ تمام گرو بابا نانک جی کی طرح سچے مخلص مبلغ تھے۔ اور سب گرو، بابا نانک جی تھے۔ ستابلونٹ جو گروانگد کے بھجن گایا کرتے تھے ان کے قصیدے بھی گروگرنتھ میں محفوظ ہیں۔ ایک قصیدہ ہے "بابا نانک نے لہنا کو گرو بنایا، وہ (گروانگد) بھی وہی روشنی ہے، بس بابا نانک نے جسم بدلا ہے۔" تیسرے اور چوتھے گرو امرداس اور رام داس کے متعلق بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہے کہ "بابا نانک امرداس کے روپ میں اترے۔" لوگ امرداس کے سر پر گرو (نانک) کا سائبان دیکھ کر حیران رہ گئے اور گرو امرداس نے وہی تھڑا حاصل کیا۔" گرو رام داس کے متعلق لکھا ہے کہ "خدا وہ ہے جس نے تجھے احسن طریقے سے تخلیق کیا، تو نانک ہے، تو لہنا ہے، تو امرداس ہے۔" بھائی گرو داس نے پانچویں گرو کا ایک قصیدہ لکھا کہ "نانک نے لہنا کو جانشین بنایا اور اپنی روشنی کے ساتھ گروانگد کے اندر آ گیا۔ انگد کے سر پر بھی وہی چھتری تھی اور بابا نانک کی طرح تھڑے پر بیٹھا۔ پھر امرداس، پھر رام داس، پھر ارجن اور ہرگوبند، سب کا مرتبہ یکساں ہے۔ ارجن نے خود کو ہرگوبند میں منتقل کیا اور اس پر سب کچھ عیاں کر دیا۔"

روایت کے مطابق بابا نانک جی کی شخصیت ہر آنے والے گرو میں منتقل ہوتی

رہی اور یہ سکھوں کے ایمان کا حصہ ہے۔ موبد ذوالفقار اردستانی نے ایک صدی بعد اپنی فارسی تصنیف ''دبستان مذاہب'' میں لکھا: ''سکھ کہتے ہیں جب نانک نے اپنا جسم چھوڑا تو گروانگد میں جذب ہوگئے۔ جو ان کا سب سے زیادہ مخلص چیلا تھا۔ گروانگد خود بابانانک تھا اس کی وفات کے بعد گروانگد، امرداس کے جسم میں داخل ہوگیا۔ اسی طرح وہ رام داس میں منتقل ہوگیا اور رام داس نے اسی طریقے سے ارجن سے الحاق کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جو یہ تسلیم نہیں کرتے کہ گروارجن بابانانک نہیں ہیں وہ کافر ہیں۔''

آخر گروگوبند نے اپنی منظوم سوانح عمری میں خود کو نانک جی کہا ہے۔ ''نانک نے انگد کا جسم اپنایا۔ اس کے بعد امرداس کہلائے۔ ایک چراغ کی روشنی دوسرے میں منتقل ہوتی رہی۔ امرداس، رام داس بنا۔ اس نے مسند ارجن کو دے دی، ارجن نے ہرگوبند کو نامزد کیا۔ ہرگوبند نے ہررائے کو اپنا آپ بنایا۔ اس کے بعد ہرکرشن گرو بنا، اور ہرکرشن کے بعد تیغ بہادر آیا۔''

''کایاپلٹ'' کا عقیدہ

''کایا پلٹ'' کا یہ عقیدہ سکھوں کے ایمان کا حصہ ہے۔ اس طرح گرونانک جی ان کے ایمان کے مطابق زندہ ہیں۔ گروؤں میں کوئی فرق روا نہ رکھنے کی ایک اور مثال ''گروگرنتھ'' ہے جس میں تمام شبدھ اور بھجن نانک جی کے نام سے ہیں اور اس ترتیب سے کہ نانک اول، نانک دوم، نانک سوم وغیرہ۔

گرو کی ''کایاپلٹ'' کا یہ عقیدہ سکھ ازم کے فروغ میں معاون ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ معاصر سماجی فضاء اور ہنگامی حالات نے بھی بڑھوتری کا کام کیا۔ سکھ ازم کا فروغ ان حالات میں ہوا کہ نئے نئے چیلنج ابھر رہے تھے۔ سیاسی سماجی اور مذہبی حوالوں سے ایک نئی فضا بن رہی تھی۔ اس نئی صورتحال میں نئے جوابات کی ضرورت تھی۔ اس وقت تک ''کایاپلٹ'' کا تصور پوری طرح پنپ چکا تھا اور اپنی عملی شکل میں موجود تھا۔ ہرگرو نے بابانانک جی کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے اپنے دور کے تاریخی عوامل کے پیش نظر اپنے مذہبی عقائد کو ارتقائی مراحل سے گزارا اور اپنے پیروکاروں کی سماجی تنظیم بھی کی۔

پانچویں گرو ارجن نے سکھوں کو مقدس کتاب ''گروگرنتھ'' عطا کی اور ان کے لیے مذہبی مرکز گولڈن ٹمپل دربار صاحب امرتسر میں تعمیر کرایا۔ ''گروگرنتھ'' میں انہوں نے گروؤں کی تعلیمات اور منظومات کے علاوہ دور وسطی کے ہندو اور مسلمان صوفیوں کے کلام اور افکار کو بھی جگہ دی۔ لیکن جگہ صرف ان افکار کو دی گئی جو بابانانک جی کی تعلیمات سے ہم آہنگ تھے۔ ان صوفیا اور دانشوروں میں حضرت بابا فریدؒ، کبیر، نام دیو اور راماند نمایاں ہیں۔ گرو ارجن نے دربار صاحب کا سنگ بنیاد معروف مسلمان صوفی بزرگ حضرت میاں میرؒ صاحب سے رکھوایا تھا۔

حکمرانوں کی طرف سے سختیوں کا جواب گروارجن نے نہایت صبر کے ساتھ مصائب جھیل کر دیا۔ ان کے پیش رو گرو نے ہتھیاروں کے استعمال پر پابندی لگائی۔ لیکن جب امن کے ذریعے مذہب کو بچانے میں ناکام ہوئے تو انہوں نے خود کو نبرد آزما کے طور پر پیش کیا اور دو تلواریں اٹھائیں اور ان کے متعلق کہا کہ ایک ان کی روحانی طاقت اور دوسری جسمانی طاقت کا مظہر ہے نویں گرو تیغ بہادر کو شاہی احکامات کے مطابق پھانسی دی گئی۔

سکھ ازم میں اہم موڑ

تاریخ یہاں سے فیصلہ کن موڑ لیتی ہے۔ اسی دباؤ کے دور میں سکھ مذہب کے رہنما اصول مرتب ہوئے۔ سکھوں کا عقیدہ ہے کہ گروگوبند سنگھ کی جدوجہد بابانانک کے مشن کی تکمیل تھی۔ انہوں نے ایک سخت اخلاقی اور نسلی نظم پیدا کیا اور گروگوبند سنگھ کے نزدیک بھی ہندو مسلم ہم آہنگی اتنی ہی اہمیت رکھتی تھی جتنی کہ بابانانک جی کے ہاں تھی۔ جب انہوں نے شاہی افواج کے خلاف مزاحمت کا آغاز کیا تو پیر بدھا شاہ جو مسلمان رہنما تھا اور اس کا خاصا مذہبی اثر و رسوخ تھا، اپنے بیٹوں اور مریدوں کے ہمراہ ان کی طرف سے لڑا۔ اس لڑائی میں بدھوشاہ کے بھائی اور بیٹے شہید ہوئے۔ گروگوبند سنگھ کا بھجن ہے کہ ''ہندو اور مسلمان ایک ہیں ان کا خالق اور رب ایک ہے۔ مسجد اور مندر، نماز اور پوجا میں کوئی فرق نہیں، اور تمام انسان ایک ہیں۔''

سکھوں کا نقطہ نظر ہے کہ ان کی مزاحمت گرونانک کے اپنے تصورات سے الگ نہیں ہے۔ ان تعلیمات میں مخصوص دھیمے پن سے ناانصافی، جارحیت اور ظلم کی ہمیشہ مذمت ہوئی ہے۔ اس کے ثبوت ان کے وہ شبدھ پیش کئے جاتے ہیں جو ''بابربانی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ گرونانک جی بابری افواج کی لشکرکشی کے خلاف تھے۔ حالات کا گھیرا ہندوؤں اور مسلمانوں کے گرد بھی تنگ ہو رہا تھا۔ گروگوبند سنگھ کے دور میں جو کچھ ہوا وہ فطرت کا ردعمل تھا۔

گروگوبند سنگھ نے گروؤں کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔ جس وقت انہوں نے اپنی موت کا اعلان کرنے کے لیے سکھوں کو اکٹھا کیا تو کہا اس وقت جو سکھ ہیں، ان کے مرنے کے بعد وہ گرو ہوں گے۔ گرو کی روح کے متعلق انہوں نے کہا کہ اب وہ گرنتھ اور خالصہ میں ہے، یہ بھی گرو ہوگا۔ اس اعلان کے بعد گروگوبند سنگھ نے گروگرنتھ کا پاٹھ کیا اور نذرانہ دیا۔ اس وقت سے گرو گرنتھ ہی کو ''گرپائی'' کا مظہر اور زندہ گرو تسلیم کیا جاتا ہے۔

○ ○ ○

بلاتبصرہ منقولات

حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر ''بیان القرآن''

کا تنقیدی جائزہ ۔ 2

از ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی

(ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی نے اپنی کتاب ''برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ'' میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر قرآن مجید ''بیان القرآن'' پر باب 4 کے فصل 15 میں ''تفسیر قرآن میں ان کا منہج اور فکری تفکرات'' کے عنوان سے تنقیدی جائزہ لکھا ہے۔ انہوں نے جن تفسیری حواشی میں سے عبارتیں پیش کی ہیں۔ ہم ان کی پوری عبارت ساتھ ہی شائع کر رہے ہیں تا کہ قاری خود ہی اندازہ لگا سکے کہ تبصرہ نگار نے کہاں تک تفسیر میں سے عبارتوں کو نقل کرتے ہوئے تفسیری نوٹ کے مفہوم کو مکمل طور پر پیش کیا ہے۔ بعض اوقات ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک آیت میں سے صرف چند الفاظ لے کر اس آیت کی تفسیر کا ایک ٹکڑا نقل کر دیا ہے جیسے سورہ بقرہ کی آیت 73 کے الفاظ فقلنا اضربوہ ببعضھا ۔

ایک عام قاری بھی جانتا ہے کہ دونوں آیتوں میں ایک ہی امر کا ذکر اور پھر اس کی تشریح ہے۔ لیکن ڈاکٹر موصوف نے دونوں آیتوں میں سے ایک ایک ٹکڑا لے کر اور پھر ان سے متعلق حضرت مولانا کی تفسیر سے سطریں نقل کر کے قاری کو غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ پہلے ڈاکٹر موصوف کی نقل کردہ تفسیر ملاحظہ کریں اور پھر دونوں آیات کے متعلق حضرت مولانا کی مکمل تفسیر اور تبصرہ نگار نے تفسیر کے جن حصّوں کا حوالہ دیا ہے ان کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے اور مکمل تفسیر کو جلی حروف میں درج کیا گیا ہے۔)

3 واذ قتلتم نفسا فادرئتم فیھا . واللہ مخرج ما کنتم تکتمون

(بقرہ 72:2)

اس میں کسی نبی کے قتل کا ذکر ہے اور یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر چڑھانے کا واقع ہے اور ان کے قتل کی کوشش کی طرف اشارہ ہے۔

(جلد اول صفحات 78،79)

4 فقلنا اضربوہ ببعضھا (بقرہ 73:2)

محمد علی اس آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح علیہ السلام پر پورا قتل وارد نہیں ہوا۔ صلیب پر آپ تین گھنٹے رہے اور اتنی دیر میں کوئی شخص صلیب کی موت سے مر نہیں سکتا۔ آپ کے ساتھ جو چور صلیب دیئے گئے تھے ان کی ہڈیاں توڑی گئیں آپ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔ یہی فاضربوہ ببعضھا ہے اور کذلک یحی اللہ الموتی (بقرہ 72) کہہ کر بتا دیا کہ جس کو تم مردہ خیال کر بیٹھے تھے اسے خدا نے یوں زندہ رکھا یا زندہ کر دیا (جلد اول ص 79)

مکمل تفسیر

دونوں آیتوں کا ترجمہ: ''اور جب تم نے ایک شخص کو (اپنی طرف سے) قتل کر دیا پھر آپس میں اختلاف کیا۔ اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے۔ پس ہم نے کہا کہ اس کو اس کے بعض سے مارو۔ اس طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنے نشان دکھاتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو۔'' (2:77،78)

قتل بمعنی اشراف علی القتل

روح المعانی میں آیت 87 میں فریق یقتلون (انبیاء کے گروہ کو تم قتل کرتے ہو) کی تفسیر میں قتل کے معنی یوں ہیں والمراد من القتل مباشرۃ الاسباب الموجبۃ لزوال الحیواۃ سواء مرتب علیہ اولا یعنی قتل سے مراد ان اسباب کا حصول ہے جن سے حیات زائل ہو سکتی ہے خواہ اس پر زوال حیات مرتب ہو یا نہ۔ اور یہ فی الواقع سچ ہے کہ ایک فعل کے اشراف پر عام طور پر وہ لفظ بول دیا جاتا ہے جو اصل فعل پر دلالت کرتا ہے۔ خود قرآن شریف میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔ جیسے فبلغن اجلھن آیت 231 میں بلغ سے مراد واقعی پہنچ جانا نہیں بلکہ پہنچنے کے قریب ہو جانا ہے۔ پس یقتلون النبیین میں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ نبیوں کے قتل کے درپے ہوتے تھے اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ نبیوں کو قتل کر دیتے تھے۔

النبیین ۔ نبی کی جمع ہے جو نباء سے مشتق ہے جس کے معنی خبر ہیں یا وہ خبر جو اپنے اندر عظیم الشان فائدہ رکھتی ہو۔ اور نبی فعیل بمعنی فاعل ہے مگر ہمزہ ترک کر دیا

گیا اس لئے نبئی اللہ صحیح نہیں نبی اللہ ہے جیسا حدیث میں مذکور ہے۔ اور بعض کے نزدیک نبی نَبْـوَۃ سے مشتق ہے جس کے معنی رفعت یعنی بلندی ہیں۔ اور نبی کو اس کے مقام بلند کے لحاظ سے نبی کہا گیا (مفردات راغب)۔ اور نبوت سفارت ہے (یعنی پیغام رسانی) اللہ اور اس کی مخلوق میں سے ذوی العقول کے درمیان (مفردات راغب)۔ اور قاموس میں ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کے متعلق خبر دینے والے کو کہتے ہیں جس کی مزید تشریح تاج العروس میں یوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی توحید کی خبر دیتا ہے اور اس کو غیب کی باتیں بتاتا ہے اور اسے علم دیتا ہے کہ وہ اس کا نبی ہے

نبی کے لغوی معنی اور اصطلاح شریعت

پس لفظ نبی کے لغوی معنی صرف خبر دینے والے کے ہیں۔ مگر اصطلاح شرعی میں یہ لفظ صرف ان رفیع القدر انسانوں پر بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان سفارت کا کام انجام دیتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں کو انسانوں تک پہنچاتے اور ان کو ان پر چلنے کی راہ بتاتے ہیں۔ لغوی معنی کی رو سے ہر ایک خواب بین یا الہام پانے والے پر یہ لفظ بولا گیا ہے۔

نبی کے لئے کتاب ضروری ہے

مگر چونکہ شریعت نے خاص اصطلاح قرار دی ہے پس جو شخص سفارت کے کام پر مبعوث نہ ہو گو وہ کتنے بھی الہام پائے یا رویا دیکھے وہ نبی نہیں کہلا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حالانکہ نبی کریم صلعم کثرت سے سچے خواب دیکھتے تھے مگر جب تک اقراء کا حکم نہیں پہنچا اس وقت تک آپؐ نے آپ کو نبی نہیں سمجھا۔ اور وہ احکام الٰہی جو نبی پہنچانے کے لئے مامور ہوتا ہے وہی اس کی کتاب ہے۔ اس لیے آیت ۲۱۳ میں فرمایا کہ نبی کو جو خدا مبعوث کرتا ہے تو وہ بشارت بھی دیتا ہے اور ڈراتا بھی ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کتاب بھی نازل کرتا ہے۔ وانزل معھم الکتاب تا کہ اس کتاب کے ساتھ وہ ان کے اختلافوں کا فیصلہ کرے پس نبی بغیر کتاب نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت صلعم کے بعد نبی نہیں

چونکہ قرآن کے بعد کسی کتاب کی ضرورت نہیں اس لیے آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔

نبیوں کے قتل سے کیا مراد ہے؟

قتل انبیاء سے مراد قتل کی کوشش یا ابطال دعوت بھی ہو سکتی ہے۔ بائبل کے بعض حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فی الواقع بھی بعض نبیوں کو قتل کیا۔ مگر قتل کے معنی ابطال دعوت بھی آتے ہیں۔ یعنی اس کی دعوت کو باطل کر دینا۔ چنانچہ اس روایت کے اذا بویع خلیفتین فاقتلوا الاخر منھما کی تشریح میں ابن اثیر لکھتے ہیں ای ابطلو دعوته واجعلوه کمن مات یعنی اس کی دعوت کو باطل کر دو اور اسے ایسا سمجھ لو جیسے کہ وہ شخص جو مر چکا۔ ایسا ہی قتل کا لفظ زبان عربی میں ان اسباب کے جمع ہو جانے پر بھی بولا جاتا ہے جس سے موت واقع ہو سکتی ہے خواہ واقع ہو یا نہ ہو۔ پس ان دونوں معنی کے لحاظ سے بھی الفاظ قرآنی کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ یعنی انبیاء کی دعوت کو باطل کرنا یا ان کو قتل کرنے کی کوشش کرنا۔ روح المعانی میں ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان کی حالت ایسی ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو قتل ہی کر دیں۔ (حاشیہ ۹۱)

"قتلتم جیسا کہ یقتلون النبین کی تفسیر میں مانا گیا ہے . قتلتم کے معنی یا تو یہاں یہ ہیں کہ تم نے ان تمام اسباب کو جمع کر دیا جو زندگی کے منقطع کرنے کا موجب ہو سکتے ہیں اور یا یہ کہ تم نے اپنی طرف سے قتل کر دیا گو کوئی اور مانع ہو گیا۔

ادرء اتم۔ درء سے ہے تفاعلتم کے وزن پر۔ پس اس کا اصل تدارائتم ہے (تفسیر ابن جریر و روح المعانی)۔ کے معنی نشوز یعنی جھگڑا کرنا اور اختلاف ہیں (تاج العروس)۔ خلع کی حدیث میں ہے اذا کان الدرء من قبلها جہاں درء کے معنی خلاف اور نشوز ہیں اس لیے ادراءتم کے معنی اختلفتم وتنازعتم کیے گئے ہیں یعنی تم نے اختلاف کیا اور جھگڑا کیا (ابن جریر اور روح المعانی)۔ اور درء کے معنی دفع بھی آتے ہیں جس کی مثال دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے۔ ویدرؤا عنها العذاب (النور۲۴۔۸)۔ فادرؤا عن انفسکم الموت (آل عمران۳۔۱۶۸) (مفردات راغب)۔

گائے کے ذبح کے مقابل پر ایک اور واقعہ

استثناء ۲۱:۱۔۹ میں جو عام حکم ہے کہ جب مقتول کا پتہ نہ لگے تو ایک ایسی بچھیا لے کر جو جوئے تلے نہ آئی ہو۔ اسے ذبح کیا جائے اور اس پر ہاتھ دھوئے جائیں۔ ممکن ہے کہ ان آیات میں اس کی طرف اشارہ ہو۔ مگر بظاہر جس طرح سارے واقعات جن کا ذکر پچھلے رکوعوں میں و اذ کے ساتھ شروع ہوتا ہے الگ الگ واقعات ہیں۔ اسی طرح یہ بھی الگ واقعہ ہے۔ اس کا تعلق گائے ذبح کے واقعہ سے کچھ نہیں۔ بلکہ اس کے مقابلہ پر ایک اور واقعہ کا ذکر کیا ہے اور قرآن کریم میں اضداد کا ذکر بہت آتا ہے۔ اس لیے جب پہلے رکوع کو اس آیت پر ختم کیا کہ ایک گائے کے ذبح کرنے میں تم نے کس قدر پس و پیش سے کام لیا تو اب یہ بتانا ہے کہ اس کے مقابل پر تم اس حالت پر غور کرو جب تم نے ایک عظیم الشان انسان کو قتل کر دیا۔

قتلتم نفسا میں کسی نبی کے قتل کا ذکر ہے

مفسرین کہتے ہیں کہ ایک بھتیجے نے چچا کو قتل کر دیا تھا تا کہ اس کی بیٹی سے شادی کر کے اس کی جائیداد کا وارث ہو۔ مگر اس قسم کے قتل کے واقعات تو قوموں میں ہر روز ہوتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا ہو تو قرآن کریم کو اس کے ذکر کرنے کی ضرورت

کیا تھی۔قرآن سے یہ شہادت ملتی ہے کہ ان الفاظ میں کسی نبی کے قتل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اول تو جو دو جرم ان کے بیان کیے تھے ایک کفر آیات اللہ اور دوسرا قتل انبیاء ان سے اول کی مثالیں کئی ایک بیان کردیں۔مگر دوسرے کی مثال کوئی بیان نہ کی تھی۔ دوسرے نفساً تنکیر عظمت کے لیے ہے۔کسی عظیم الشان انسان کا ذکر ہوسکتا ہے۔ تیسرے تمام قوم ایک معمولی انسان کے قتل پر ملزم نہیں ہوسکتی۔ہاں انبیاء کے قتل پر کل قوم کو ملزم کیا جاتا ہے۔اگر بھتیجے نے چچا کو قتل کردیا تھا تو قوم پر الزام بے معنی ہے۔ لیکن اگر کوئی نبی قتل ہو تو قوم پر الزام درست ہے کیونکہ خود قرآن کریم نے قوموں کو انبیاء کے قتل کے لئے ملزم کیا ہے پس یہ قرآئن بتاتے ہیں کہ یہاں کسی نبی کے قتل کا ذکر ہے۔

یہ نبی حضرت مسیحؑ ہیں

اب اس کے متعلق چند اور باتیں قابل توجہ ہیں۔اول یہ کہ اپنی طرف سے قتل کردینے کے بعد پھر ان لوگوں میں اختلاف ہوا ہے جیسا **فادرائتم فیھا** سے ظاہر ہے۔ دوسرے وہ قتل میں کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ فرمایا کہ جو کچھ تم چھپانا چاہتے تھے اللہ نے اسے ظاہر کرنا تھا۔اب ایسا قتل یا قتل کی کوشش جس میں اختلاف ہوا ہو اور پھر وہ قتل بھی کسی نبی کا ہو حضرت مسیحؑ کے صلیب پر چڑھانے کا واقعہ ہے اور کوئی واقعہ اس قسم کا تاریخ بنی اسرائیل میں نہیں پایا جاتا۔

مسیحؑ کے قتل کی کوشش

قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف فرمایا: **وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم** یعنی ''وہ تو یہی کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کردیا'' مگر فرمایا: **وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم** ''انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر مارا بلکہ ان کے لئے وہ مشابہ **بالمقتول** کردیا گیا'' اور پھر فرمایا: **وان الذین اختلفوا فیہ لفی شك منہ** (النساء۔۱۵۷) ''جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا وہ اس کے متعلق شک میں ہیں''۔پس اگر ایک طرف قرآئن صفائی سے بتاتے ہیں کہ ان الفاظ میں کسی نبی کے قتل کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسا ہی نبی جس کے قتل میں اختلاف ہوا ہو اور کامیابی نہ ہوئی ہو وہ حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔گویا قوم یہود کی بے اعتدالیوں کا نقشہ کھینچا ہے کہ ایک طرف گائے تک کو ذبح کرنے میں اس قدر لیت ولعل کرتے ہیں اور دوسری طرف ایک عظیم الشان نبی کو قتل کرنے میں اس قدر دلیری ہے۔حضرت مسیحؑ کی طرف اشارہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فوراً بعد فرمایا: **ثم قست قلوبکم من بعد ذلك** ''پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہوگئے''۔اور قرآن شریف سے ہی ثابت ہے **فطال علیھم الامدفقست قلوبھم** (الحدید۵۷:۱۶) یعنی ''ایک لمبا زمانہ گزرنے کے بعد ان کے دل سخت ہوگئے تھے''۔ پس یہ کوئی ایسا قتل ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لمبا زمانہ گزرنے کے بعد وقوع میں آیا۔

قرآن کریم آپ اپنی تفسیر کرتا ہے

قرآن کریم بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ان واقعات کا جو ذکر یہاں ہے وہی ذکر سورۃ النساء میں بھی ہے (دیکھو آیت ۱۵۳)۔ جہاں خدا کو دیکھنے کی درخواست ہے پھر بچھڑا بنانے کا ذکر ہے اور آیت ۵۴ جہاں میثاق کا ذکر ہے اور شہر میں فرمانبرداری سے داخل ہونے کا حکم ہے اور سبت کے معاملہ میں زیادتی سے روکا ہے۔اور آیت ۱۵۵ جہاں نقض میثاق اور قتل انبیاء کا ذکر ہے۔یہ سب کچھ اس کے مطابق ہے جو یہاں سورہ بقرہ میں بیان ہوا۔اس قدر فرق ہے کہ یہاں تفصیل ہے سورۃ النساء میں انہی واقعات کا ذکر اختصار سے ہے۔اور پھر آیت ۱۵۷ میں حضرت مسیحؑ کے قتل کی کوشش اور اس میں ناکامی اور اختلاف کا ذکر ہے۔گویا جو کچھ یہاں سورہ بقرہ میں اشارۃً بیان فرمایا اس کو سورۃ النساء میں کھول کر بیان کردیا۔یہ کمال قرآن پاک کا ہے کہ یہ دو سورتیں کئی سال کے فرق پر نازل ہوتی ہیں لیکن ایک میں جو اختصار ہے اس کی دوسری میں تشریح کردی ہے۔اور جس کو پہلے تفصیل سے بیان کردیا تھا اس کا دوسرے موقع پر اختصاراً ذکر کردیا۔یہ مقابلہ بھی اس بات کا موئید ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی کوشش کی طرف اشارہ ہے۔

فقلنا اضربوہ ببعضھا سے کیا مراد ہے؟

اضربوہ میں ضمیر نفس کی طرف جاتی ہے کیونکہ بعض وقت نفس کی ضمیر بلحاظ معنی مذکر آجاتی ہے اور **بعضھا** کی ضمیر فعل قتل کی طرف جاتی ہے یعنی بعض قتل سے اس کو مار دو یا فعل قتل اس پر پورا وارد نہ ہونے دو۔چنانچہ ضمیر کا قتل کی طرف جانا جو مصدر فعل سے مفہوم ہے بحر المحیط میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔

حضرت مسیحؑ اور واقعات صلیب

اور یہی سچ ہے کہ حضرت مسیحؑ پر پورا فعل قتل وارد نہیں ہوا۔صلیب پر آپ صرف تین گھنٹے رہے اور اتنی تھوڑی دیر میں کوئی شخص صلیب کی موت سے مر نہیں سکتا۔آپؑ کے ساتھ چور صلیب دئے گئے تھے ان کی ہڈیاں توڑی گئیں آپؑ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔یہی **فاضربوہ ببعضھا** ہے اور **کذلك یحیی اللہ الموتی** کہہ کر بتا دیا کہ جس کو تم مردہ خیال کر بیٹھتے تھے اسے خدا نے یوں زندہ رکھا یا زندہ کردیا۔اور یہ جو فرمایا **یریکم ایاتہ لعلکم تعقلون** تو بتایا کہ مسیحؑ جو تم کو مردہ معلوم ہوتا تھا جس طرح اسے خدا نے زندہ کردیا۔کیونکہ اللہ کے نام کو بلند کرنا اس کی زندگی کا مقصد تھا اسی طرح اگر تم بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا کام اختیار کرو تو گو تم ایک مردہ قوم ہو اللہ تعالیٰ تمہیں زندگی عطا فرمائے گا۔'' (حاشیہ ۹۸)

علم جسمانی اور روحانی ترقی کی کنجی ہے

خطبہ جمعہ، جامع دارالسلام لاہور

ناصر احمد بی۔اے ایل ایل بی

''اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھ جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو تعلق پکڑنے سے۔ تُو پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے۔ وہ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' (96:1-5)

علم کی فضیلت

اس سورت میں پہلا لفظ اقرا یعنی پڑھ کا لفظ کافی غور طلب ہے۔ اللہ نے اس پہلی وحی میں پہلا لفظ ہی پڑھنے کے متعلق کہا اور پھر اس کو تیسری آیت میں انسان کی عظمت سے جوڑا ہے۔ گویا علم جو پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے وہ سب سے اہم ذریعہ ہے جو انسان کو نہ صرف اچھے اور برے کی تمیز کرنا سکھاتا ہے بلکہ اس کو عظمت کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔ اور اس علم کو حاصل کرنے کی قوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں فرشتوں کو انسان کے آگے سجدہ کرنے کی ہدایت کی۔ جیسے فرمایا:

''اور آدم کو سب کے نام سکھائے۔ پھر اُن چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کیا۔ اور کہا: مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تُو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو علم والا اور حکمت والا ہے۔'' (۳۲:۲)

اب دیکھا جائے تو اس پہلی وحی میں کوئی احکام نہیں۔ اگر ہدایت ہے تو یہ کہ پڑھ اور انسان کی تخلیق پر غور کر۔ ایک رنگ میں علم کو پڑھنا ہی انسان کی تخلیق کا بنیادی فریضہ قرار دیا گیا ہے اور اس طرح اللہ کی عبودیت اور علم کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ کے اس مقصد کو پورا کر سکتا ہے جس کے لئے اس نے انسان کو پیدا کیا۔

انہی باتوں کی مزید وضاحت لفظ علق کے ذریعہ کی گئی ہے۔ پڑھنے سے ضروری نہیں کہ انسان ایک عالم بن جائے۔ لیکن اس کا ذہن مشاہدہ اور سوچنے کی صلاحیت ضرور حاصل کر لیتا ہے اور ایسے کئی سوالات اور خیالات جو انسان کے ذہن میں اٹھتے رہتے ہیں بعض اوقات انسانی سوچ خود ہی ان کے جواب تلاش کر لیتی ہے۔ علق تعلق پکڑنے کو کہتے ہیں۔ آج سائنس نے بتایا ہے کہ مرد و عورت کا مرکب نطفہ جب رحمِ مادر میں قرار پکڑتا ہے تو سب سے پہلے وہ رحِم کو چھیدتا اور اس سے تعلق پکڑ کر لٹک جاتا ہے اسے علقہ کہتے ہیں اور اس تعلق پکڑنے کو علق کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے انسان اپنی گذشتہ پیدائش پر جو فقط تیرے جسم یا حیوانیت کی پیدائش ہے اس پر غور کر کہ مرد و عورت کے مرکب نطفہ نے جب رحِم سے تعلق پکڑا تو ماں کے رحم کی ربوبیت سے اس کی وہ نشوونما ہوئی کہ ایک خوبصورت مکمل انسانی جسم تیار ہو گیا۔ یہ تو ماں کے رحم سے تعلق پکڑنے کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ ماں تیرے رب کی صفت ربوبیت کا ایک ادنیٰ سا مظہر ہے۔ تو اگر اپنے حقیقی رب کے ساتھ تعلق پکڑے گا تو تیری روحانیت یا دوسرے لفظوں میں تیری انسانیت کا نشوونما اس کمال کے ساتھ ہو گا کہ تو اکرم ہو جائے گا۔ یعنی تمام مخلوق پر اپنی بزرگی اور شرف سے سبقت لے جائے گا اور تیرا احسن تقویم پر ہونا یعنی سب سے بہترین صورت میں ہونا ہر کس و ناکس کو نظر آ جائے گا۔ یہی مطلب حضرت نبی کریم صلعم کے ارشاد کا تھا کہ اللہ کا رَحم اور ماں کا رحِم نہ صرف تلفظ اور شکل میں بلکہ اپنے فیضان میں بھی مشابہ ہیں۔ جس طرح ماں کے رحم سے تعلق پکڑ کر ایک خفیہ نطفہ کیسا خوبصورت انسان بن کر نکلتا ہے اور دنیا میں ودیعت کردہ۔ صلاحیتوں سے کیسے کیسے کارہائے نمایاں کر کے دکھاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رحم سے تعلق پکڑ کر ایک حقیر انسان انسانیت کے تمام کمالات کو حاصل کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا وارث ہو جاتا ہے۔

مغرب میں اسلام کے بارے میں نئی سوچ

آج کا میرا خطبہ زیادہ تر رسالوں سے تراشے اور مغربی مصنفین کی کتب کے حوالوں پر مشتمل ہو گا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ مغرب میں آج کل اسلام کے بارے میں کیا اعتراضات اور کیا نئی سوچ پیدا ہو رہی ہے اس سے آپ لوگوں کو روشناس کراؤں۔ تحریک احمدیت اور خاص طور پر انجمن احمدیہ لاہور نے مغرب میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں مغربی مصنفین اور ناقدین کی کتب کا مطالعہ کیا اور اس کے جواب پر خصوصی توجہ دی اور مغرب میں ترجمۃ القرآن، کتب اور تبلیغ کے ذریعہ اسلام کے بارے میں سوچ میں تبدیلی پیدا کی جس کا خود عیسائی مذہبی اور علمی حلقے معترف ہیں۔ لیکن مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے علم کلام اور طرز فکر نے جس بالغ النظری اور اجتہاد کی طرز فکر پیدا کر کے مغرب میں اسلام کے

خلاف اعتراضات کا مسکت جواب دیا تھا اور روشن خیالی کی روش کو ترقی دی تھی خود اس کے ماننے والوں میں تقلید کا عنصر غالب آتا جا رہا ہے اور جماعت ربوہ تو بالکل تقلید کا شکار ہو کر تحریک احمدیہ کے بنیادی نقطہ نظر سے ہی دور ہو رہی ہے۔ ہم نے بھی مغربی لٹریچر کے مطالعہ کی طرف بے توجہی کا رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔

میں اپنی گذشتہ تقریروں میں مغربی مصنفین اور مفکرین کے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق خیالات اور غلط تصورات کا ذکر کرتا رہا ہوں۔ اسی سلسلہ میں آج میں ایک نو مسلم خاتون سارہ جوزف جو لندن کے ایک معروف رسالہ ماہانہ "EMEL" کی ایڈیٹر ہیں۔ روزہ کے متعلق ان کے خیالات اور انگلستان کے شہزادہ چارلس کی تقریر کے بارے میں اس خاتون کے تبصرے کا ذکر کروں گا۔

وہ ایک ادارتی نوٹ میں جس کا عنوان ہے،''سہولت کے زمانہ میں ماہ رمضان کے روزے'' میں لکھتی ہیں:

''میں سینٹ جیمز محل میں 33ویں ڈمبلے لیکچر میں شرکت کے لئے گئی جہاں شہزاد چارلس، پرنس آف ویلز نے ''ہمیں کیسے مستقبل کا سامنا ہے'' (Facing the Future) کے موضوع پر تقریر کرنا تھی۔ تقریر واقعی روح اور ذہن کو روشن کرنے والی تھی جس میں ایک مستحکم اور امید افزا مستقبل کا فلسفیانہ تخیل پیش کیا گیا۔ تقریر میں سب کو اس طرف توجہ دلائی گئی کہ ہم اپنے اندر جھانک کر دیکھیں کہ ہم دنیا کو کس نظر سے دیکھ رہے ہیں اور ہم اس کے بارے میں اپنا فرض کس حد تک نباہ رہے ہیں۔

ماہ رمضان شروع ہو رہا ہے یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں ہم اپنے نفس کا خود محاسبہ کرتے ہیں اور اس کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مناسب وقت ہوتا ہے کہ ہم اپنی ذاتی زندگی کے سفر پر غور کریں اور سوچیں کہ ہم اس کرہ ارض کو جو ہماری زندگی کی بقا کا باعث ہے اس کو کس طرح استعمال کر رہے ہیں۔

شہزادہ چارلس نے کہا: ہم ایک تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے دھارے پر کھڑے ہیں جہاں ہمیں دو قسم کے مسائل کا سامنا ہے: ایک زندگی گذارنے کے لئے دنیاوی تگ و دو کا نیا انداز اور دوسرا ایک ایسا معاشی نظام جس میں بہت سی کمزوریاں ہیں۔ شہزادہ چارلس نے بڑے جذباتی انداز میں باہم اتحاد اور سماجی ہم آہنگی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کافی تفصیل سے اس خطرناک توڑ پھوڑ کا ذکر کیا جس کی وجہ سے زمین کے وسائل تیزی سے ختم ہو رہے ہیں۔ لیکن ہمارے پیش نظر صرف ایک ہی مقصد ہے کہ ہم سہولت سے بھرپور زندگی گذار سکیں۔ انہوں نے کافی دلیری سے اس گھمبیر خطرہ کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی کہ ہمارے معاشرے میں زندگی کو خوشنما اور آرام دہ بنانے کے لئے اشیاء بنانے اور ان کو خریدنے کے لئے ہم زمین کو بڑے پیمانے پر نقصان پہنچا رہے ہیں گو کہ ہم اس کو موجودہ زندگی کی کامیابی سمجھ رہے ہیں۔ لیکن ہمیں اس حقیقت کو ماننا پڑے گا کہ زمین ہماری اس روش کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے گی۔

سارہ جوزف شہزادہ چارلس کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''بظاہر یہ تقریر دنیاوی ترقی پر ایک حملہ تھا۔ حالانکہ اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ ہم واپس اس زمانہ میں لوٹ جائیں اور گھوڑوں اور بیل گاڑیوں میں سفر کریں اور اپنے گھروں میں روشنی کے لئے موم بتیاں جلائیں۔ بلکہ تقریر میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کے لئے کھانے پینے اور دیگر سہولتوں کے لئے بے لگام خرید و فروخت پر قیود لگانی چاہیں۔ ہم بلا سوچے سمجھے زمین کے ختم ہونے والے ذرائع کو جس طرح چاہیں بے دریغ استعمال نہ کریں اور مستقبل کا بالکل کچھ خیال نہ کریں۔ شہزادہ چارلس نے اس بات کو بھی تسلیم کیا کہ ہمارے تمدن میں قیود کے لفظ کے خلاف ایک مستقل بغاوت کا رویہ رواج پا گیا ہے۔

سارہ جوزف لکھتی ہیں: ''دین قیود کے احکام بتاتا ہے۔ ان پابندیوں کو اکثر لوگ برا بھلا کہتے ہیں۔ بے لگام آزادی کے لئے ہماری خواہشات اتنی انتہاء کو پہنچ گئی ہیں کہ جب بھی کوئی کوشش کی جاتی ہے کہ حدود کو قائم کیا جائے۔ اس کوشش کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدود نہایت ضروری ہیں۔ خواہ ان کا تعلق ذاتی، سماجی یا ماحولیاتی معاملات سے ہو۔ جب ہمارے وسائل محدود ہیں تو حدود مقرر کرنا لازمی ہو جاتا ہے

اپنے ادارتی نوٹ کے آخر پر سارہ جوزف صاحبہ فرماتی ہیں۔''وقت آ گیا ہے کہ اقدار کے نئے قوانین بنائے جائیں اور میں بڑے جذبہ سے اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ اسلام اس بارے میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اتحاد کا تصور (جس کی شہزاہ چارلس نے اپنی تقریر کے شروع میں ذکر کیا ہے) وہ اسلام کا تصور توحید ہے وہ باہم اتحاد کے لئے اولین شرط ہے اور اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح توازن یا نیکی کی جزا اور بدی کی سزا جس کو قرآن مجید میزان کہتا ہے۔ انسان کا زمین پر نگران یا خلیفہ ہونا اس کا انسانیت کا قیام اولین فرض بن جاتا ہے۔ اسلامی معاشی نظام سے اسلامی نظریہ ماحولیات تک تمام مسائل کے بارے میں یہ بہت ضروری ہے کہ دنیا کے بارے میں نئے انداز سے سوچا جائے اور اس پہلو سے اسلامی نظریات کافی جاندار ہیں۔ وہ لوگ جو اسلام پر ایمان رکھتے ہیں

ان کو دنیا کے بارے میں اسلامی نظریہ کے مطابق زندگی گذارنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔اوراس کے لئے ان کو روشنی اور رہنمائی کا کام دینا ہوگا۔

ماہ رمضان جس کا بنیادی مقصد ہی خدا خوفی کو دلوں میں پیدا کرنا ہے ہمیں حدود کی ضرورت کے بارے میں شعور پیدا کرتا ہے۔اس مہینہ میں ہم اپنے نفس کو روکتے ، اس کی تربیت کرتے ، خیرات کرتے اور لوگوں کو معاف کرتے ، نئے ارادے باندھتے اور اپنے قویٰ کو نیکی کرنے کے لئے نئے سرے سے مضبوط کرتے ہیں۔ہمیں اس وقت کو اس عظیم مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہیے کہ ہم دنیا میں ہر لحاظ سے توازن پیدا کرنے کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

علم کا حصول اور تحقیق کی اہمیت

اب میں دین اسلام کے بارے میں علم حاصل کرنے اور تحقیق کی طرف آتا ہوں کیونکہ تحریک احمدیت کا بنیادی مقصد ہی قلم سے جہاد کے ذریعہ اسلام کی اشاعت اور دفاع ہے۔حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے قرآن مجید کی اس ابدی صداقت کو اس دور میں کمال خوبی سے ثابت کیا جس کا ذکر ذیل کی آیت میں یوں بیان ہوا ہے:

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو کل دینوں پر غالب کرے۔گو مشرک برا ہی مانیں''(۹:۳۳)

اسلام اور عیسائیت اور کافی حد تک ہندومت پر بحث اور اسلام کے حق میں دلائل تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی متعدد کتب میں دیئے ہیں۔اور چونکہ مغربی مفکرین کا تعلق زیادہ تر عیسائیت سے تھا اور ہے اس لئے اس بارے میں تحریک احمدیہ لاہور کی کتب اولیت اور ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں۔لیکن سکھ ازم کے متعلق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے 1895 کے لگ بھگ ''ست بچن'' تصنیف فرمائی۔حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے مجدد اعظم جلد اول میں صفحات ۴۲۲،۴۲۳،۴۲۴ پر اس کتاب کا تعارف اور خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

بابا نانک صاحب کی اسلام پر مختلف شہادتیں

''حضرت اقدس مرزا صاحب چونکہ اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر کے دکھانے کے لئے مامور تھے اس لیے ہمہ وقت آپ کی نظر غیر مذاہب کی کتب اور لٹریچر پر رہتی تھی۔آپ کو سکھوں کی مختلف جنم ساکھیوں اور سکھوں کے متعلق دیگر کتب سے یہ صاف پتہ لگتا تھا کہ بابا نانک صاحب مسلمان تھے۔چنانچہ بابا صاحب کا حضرت باوا فرید شکر گنج علیہ الرحمتہ کی خدمت میں رہ کر فیض پانا بلکہ آپ کی بیعت بھی کرنا اور مختلف سفروں میں ان کے ساتھ ساتھ رہنا اور سلطان پور میں نواب دولت خاں اور وہاں کے قاضی صاحب کے ساتھ نماز پڑھنا،اور بابا صاحب کا سفر کی تکلیف شاقہ اٹھا کر مکہ معظّمہ حج کے لئے جانا، پھر باوا صاحب کے اقوال سے یہ ثابت ہونا کہ وہ درود شریف پڑھنے کے بغیر کسی برکت کے ملنے کے قائل ہی نہ تھے اور ان کے بہت سے اشعار کا ٹھیک قرآنی آیات کا مفہوم اپنے اندر رکھنا۔پھر ایک شعر میں نماز جنازہ اور اس کی تکبروں کا ذکر کر کے موت کے وقت اپنی بے بسی کا ذکر کرنا اور باوا صاحب کی وفات پر حنفی مسلمانوں کا ان کا نماز جنازہ پڑھنا اور جس حالت میں کہ حنفیوں کے ہاں نماز جنازہ غائبانہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ باوا صاحب کی نعش کسی طرح انہیں مل گئی تھی ۔ ورنہ جب تک نعش موجود نہ ہوتی ہو جنازہ پڑھ نہ سکتے تھے۔اور بجائے نعش کے چادر دفن کرنا خلاف اسلام ہے۔چادر ملتی تو وہ بطور تبرک کے رکھ لیتے نہ کہ دفن کر کے اسے ناپید کر دیتے۔پس مسلمانوں کا ان کا جنازہ پڑھنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسلمان تھے ورنہ اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو مسلمان ہرگز ان کا جنازہ نہ پڑھتے کیونکہ مسلمانوں کی تو وہ قوم ہے کہ اگر کسی کے اسلام کی نسبت ذرا بھی شک پڑ جائے تو وہ اس کا جنازہ نہیں پڑھتے ۔ پھر محققین یورپ کا بابا نانک صاحب کے اسلام پر شہادت دینا۔مسٹر ہیوز کا انہیں باوا فرید کا مرید بتانا۔ پھر''سیر المتاخرین'' جلد اول میں صفحہ ۱۰ پر ایک اور یورپین برگ صاحب کا یہ بیان موجود ہونا کہ بابا نانک صاحب نے اپنی ابتدائی عمر میں ایک شخص سید حسین صاحب سے اسلام کی بڑی بڑی تصنیفات پڑھی تھیں۔اور ایک دوسرے یورپین ڈاکٹر ٹرپ کا اپنے ترجمہ گرنتھ نمبر الف میں صفحہ ۴۲ پر لکھنا کہ بابا نانک صاحب کا جنم ساکھی میں ایک یہ شعر ہے کہ قیامت کے دن صرف نیک کاموں والوں کی کوئی پرستش نہیں ہوگی۔ نجات وہی پائیں گے جن کی پناہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔پھر بابا نانک صاحب کا یہ قول گرنتھ صاحب میں ہونا کہ بغیر کلمہ پڑھے بہشت بیدار مل نہیں سکتا اور بغیر درود پڑھنے کے آخرت کی برکات نہیں مل سکتیں۔اور جنم ساکھی میں بابا صاحب کا یہ قول موجود ہونا کہ وہ لوگ لعنتی ہیں جو نماز نہیں پڑھتے۔ پھر بابا فرید صاحب اور بابا نانک صاحب جس گاؤں میں جاتے تو جس جگہ بیٹھتے ان کے اٹھ جانے کے بعد ہندوؤں کا اس جگہ کو پلید سمجھ کر وہاں گوبر لیپنا وغیرہ وغیرہ بہت سی شہادتیں ہیں جن سے ان کا مسلمان ہونا صاف نظر آتا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہؒ نے اس کتاب میں بابا نانک جی کی زندگی کے

مختصر حالات اور ان کی تعلیمات پر تفصیل سے لکھا ہے اور چولا صاحب اور پوتھی صاحب کی بھی تفصیل دی ہے۔اس موضوع پر مضامین اور ٹریکٹ تو دونوں جماعتوں کی طرف سے شائع ہوتے رہے لیکن قادیان سے ایک قابل ذکر کتاب ''باوانانک کا مذہب'' مصنفہ شیخ محمد یوسف سابق سورن سنگھ ودوان، ایڈیٹر اخبار ''نور'' ہے جو 1914ء میں شائع ہوئی جس میں ان کی تعلیمات کے علاوہ ان کے سفروں اور مسلمانوں سے تعلقات کا تفصیلی ذکر ہے اور مسلمانوں کے خلاف بعض اعتراضات کے جواب بھی دیئے گئے ہیں۔کافی عرصہ ہوا بابا گرونانک کے متعلق ایک کتاب شائع کردہ ثقافت اسلامیہ، لاہور بھی نظر سے گذری تھی۔لیکن اس وقت میں ایک نہایت تحقیقی اور گرو صاحب کے روحانی کمالات پر ایک کتاب'' بابا نانک'' مصنفہ سید افضل حیدر، سینئر ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ آف پاکستان میں سے گرو بابانانک کے مکہ کی زیارت اور ان کی تعلیمات سے متعلق چند اقتباس پیش کرتا ہوں۔ جن کو سن کر ہر صاحب نظر اور صاحب بصیرت یہ محسوس کرے گا کہ جو بات علم اور تحقیق کی بنا پر بانی سلسلہ احمدیہ نے ایک صدی پیشتر 168 صفحات پر مشتمل کتاب میں پیش کی۔اس پر بعض مسلمان محققین نے کس قدر مؤثر کام کر کے اس حقیقت کی تصدیق کی بلکہ تحقیق سے اس میں مزید اضافہ کیا ہے۔مصنف نے کتاب کے آغاز میں ہی نانک جی کے کلام میں سے ایک شعر درج کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے''اے نانک تجھے قبر بلا رہی ہے۔تم کھانے پینے ہی میں مست نہ ہو جانا، پانچ وقت نماز گذار اور قرآن جیسی کتاب پڑھ''۔

''بابانانک'' کا مصنف ان کے سفر مکہ کے بارے میں لکھتا ہے:

چوتھی سیاحت

''آپ کی چوتھی سیاحت مغربی ممالک کی جانب بیان ہوتی ہے۔روانگی کے وقت آپ نے نیلے رنگ کا لباس پہنا۔ہاتھ میں عصا پکڑا، بغل میں کتاب دبائی اور دوش پر مصلہ اٹھایا۔گویا بالکل اسلامی وضع قطع بنا کر چلے۔یہ سیاحت پانچ برس پر مشتمل ہے۔اس میں آپ کرتارپور سے روانہ ہو کر شرق پور، رہتاس اور ڈیرہ غازی خان وغیرہ ہوتے ہوئے براستہ سندھ عازمین حج کے ہمراہ مکہ پہنچے۔مکہ، مدینہ، بغداد، یروشلم، دمشق، مصر، ترکی، ایران، قندھار اور افغانستان سے ہوتے ہوئے براستہ کابل اٹک دریا پار کر کے حسن ابدال (پنجہ صاحب) ہو کر 1521ء میں واپس کرتار پور آئے۔بغداد میں بابانانک کی یادگار بھی بیان ہوتی ہے۔آپ کی ملاقات بہلول داتا سے بھی ہوئی تھی۔

مکہ کے واقعہ کو بھائی گورو داس نے پہلی وار کی 33ویں پوڑی میں بیان کیا ہے۔مکہ کے حاجیوں اور قاضیوں نے یہ پہچان لیا تھا کہ آپ جنم سے ہندو ہیں۔اس لئے ان کا بڑا سوال جس کا وہ جواب طلب کرتے تھے یہ تھا کہ ہندو دھرم اور مذہب اسلام دونوں میں سے کون سا مسلک بہتر اور اعلیٰ ہے۔گرو صاحب کا جواب یہ تھا:

''بابا آکھے حاجیاں شبھ عملاں با جھوں دونویں روئی

ہندو مسلمان دوئے درگہ اندر لین نہ ڈھوئی

(وار گورو داس جی)

ترجمہ: باباجی نے فرمایا: اے حاجیو اچھے اعمال کے بغیر دونوں روتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں کا مالک کی درگاہ میں قبولیت نہیں۔قبولیت تو صرف اعمال کی ہے۔

مغرب کی سیاحت میں آپ نے اسلامی نظریات وروایات کے پیش نظر لوگوں کو راہ راست کی پابندی کا درس دیا۔آپ کی شاعری اور موسیقی نے شریعت پرستوں میں نیک اعمال کا جذبہ پیدا اور بیدار کیا۔

سفر میں توکّل کی کیفیت

ان سیاحتوں میں بابانانک کو مختلف افراد اور گروہوں سے آمنا سامنا ہوا۔ذیل میں ہم اس کی سرسری سی تفصیل پیش کر رہے ہیں۔

جنگلوں بیابانوں سے گزرتے ہوئے نانک جی نے مردانا کے ساتھ پنجاب کے جنوب مغرب کی طرف کافی دور تک سفر کیا۔لیکن کسی بھی جگہ پر آپ نے قیام نہ کیا۔جب بھی راستے میں کوئی آبادی آتی تو آپ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے۔وہ جنگلی بیروں یا پھلوں سے اپنی بھوک مٹاتے۔لیکن مردانا نے شکایت کی کہ نانک جی اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر رہے جیسا درویش لوگ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ گرونانک نے اسے سمجھایا کہ اگر کوئی شخص خدا کی طرف جانے والے راستہ کا اپنے لئے انتخاب کرتا ہے تو اسے مخلوق سے کسی خیرات کی توقع کرنے کی بجائے اپنے کھانے کی خود فکر کرنی چاہیے۔

لیکن مردانا کو اپنے راہبر کی دانائی اور حکمت پر کامل یقین نہ ہوا۔ایک دن نانک جی نے مردانا کو ایک آبادی میں جانے کی اجازت دے دی۔جب گاؤں میں یہ خبر پھیلی کہ ایک درویش وہاں آیا ہے تو وہاں کے تمام مرد اور عورتیں اس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور اس سے دعاؤں کی درخواست کی۔مردانا نے ان لوگوں کے لئے نہایت خلوص سے دعا کی۔گاؤں والے اس کے لئے نہ صرف انواع واقسام کے لذیذ کھانے لے کر آئے بلکہ انہوں نے اسے ریشمی، اونی اور سوتی کپڑوں کے ساتھ ساتھ طرح

طرح کی خوشبوئیں بھی دیں۔ مردانا جلدی جلدی تمام چیزیں لے کر انتہائی خوشی کے ساتھ جنگل میں اپنے گرو کے پاس آ گیا۔ جب نانک جی نے اپنے ساتھی کو اتنے سارے تحائف کے ساتھ دیکھا تو آپ مسکرائے اور پوچھا کہ ''تم نے میری حکم عدولی کیوں کی ہے؟'' مردانا نے مضطرب ہو کر کہا کہ ''وہ اپنے عقیدت مندوں کو مایوس نہیں کر سکتا تھا لہذا اسے یہ تمام تحائف قبول کرنے پڑے۔'' نانک جی نے اسے کہا کہ یہ سب چیزیں پھینک دے۔ بادل نخواستہ مردانا کو ایسا کرنا پڑا۔ پھر مردانا نے نانک جی سے پوچھا: ''کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ آپ یہ چیزیں اپنے پاس آنے والے ضرورت مند لوگوں کو دے دیں۔ ایسا کرنے سے خدا بھی خوش ہوگا۔'' نانک جی نے جواب دیا: ''ہاں یہ درست ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلانے اور بے لباس کا تن ڈھانپنے والے پر خدا رحم کرتا ہے۔ لیکن دینے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنی جائز کمائی میں سے خیرات دے۔'' نانک جی نے مزید کہا کہ ''اور لینے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ صرف اپنی ضروریات کے مطابق ہی لے۔''

نانک جی کی ایک تمثیل اور ارشادات

پیشتر اس کے کہ میں گرونانک جی کاریاکاری اور روحانی اندھاپن کے متعلق آپ کو ان کی تمثیل سناؤں۔ میں قرآن مجید کی سورت ماعون کی آخری دو آیتوں کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ ترجمہ ''یعنی جو دکھاوا کرتے ہیں اور خیرات سے روکتے ہیں۔'' تمثیل کچھ یوں ہے:

''ایک اندھا شخص اپنے سر پر گٹھڑی اٹھائے پہاڑ پر چڑھتا ہے۔ وہ بہت دور تک عمودی چڑھائی چڑھتا ہے۔ لیکن بغیر بینائی کے وہ بلندیوں کی پیمائش کیسے کرسکتا ہے؟ اے نانک! ہماری ہوشیاری اور ہماری جھوٹ موٹ کی پارسائی کسی کام کی نہیں ہے۔ محض خدا کی محبت ہی میں ہماری نجات ہے اور اس کے باعث ہی ہم اپنے گناہوں کی زنجیروں سے رہائی پاتے ہیں۔''

بابا نانک جی کے کلمہ طیبہ کے متعلق کیا خیالات اور عمل تھا۔ اس بارے میں ''باوا نانک کا مذہب'' مصنفہ شیخ محمد یوسف سابق سورن سنگھ کی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں۔ مصنف اس بارے میں لکھتا ہے:

''کلمہ شریف مسلمانوں میں ایمان کی روح مانا گیا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت باوا صاحب کلمہ طیبہ کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جنم ساکھی کلاں یعنی بھائی والی جنم ساکھی۔ صفحہ ۳۲۰ پر حضرت باوا صاحب فرماتے ہیں:

کلمہ اک یاد کر اور نہ بھا کھو بات
نفس ہوائی رکن دین تس سے ہوئیں مات

یعنی راہ ہدیٰ اور نجات ابدی کے حاصل کرنے کے لئے کلمہ طیبہ کا ہی بار بار ورد کرو۔ کیونکہ نفسانی خواہشات اس کلمہ سے ہی دور ہو سکتی ہیں''

حضرت عائشہؓ کا نکاح

ابھی میں نے انگلستان کی ایک نومسلمہ جو ایک اعلیٰ درجہ کے ماہوار رسالہ کی ایڈیٹر ہیں۔ ان کے ادارتی نوٹ سے شہزادہ چارلس کے یہ الفاظ سنائے تھے ''کہ بے لگام آزادی کے لئے ہماری خواہش اتنی انتہا کو پہنچ گئی ہے کہ جب بھی کوئی ایسی کوشش کی جاتی ہے کہ حدود کو قائم کیا جائے تو ہر کوئی اس کا مذاق اڑاتا ہے۔'' اسی طرح جنسی بے لگامی نے مغرب میں تمام حدود کو پار کر دیا ہے۔ اور جنسی تسکین کے نت نئے طریقوں نے خطرناک صورت اختیار کر لی ہے اور اب یہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ معصوم بچوں اور بچیوں کو ہوس کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مغربی معاشرہ میں والدین نے چیخ و پکار شروع کر دی ہے اور وہ قوم جو موت کی سزا کے سخت خلاف ہے اس نے بھی اب اس گھناونے جرم کے لئے موت کی سزا کا مطالبہ شروع کر دیا ہے۔
اسی طرح میں نے کیرن آرم سٹرانگ کی کتاب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عریاں الزامات میں سے ایک الزام (نعوذ باللہ) ''بچوں کا شغل'' کا بھی ذکر کیا تھا اور اس کی بنا حضرت عائشہؓ کی 6 یا 7 سال کی کم سن عمر میں نکاح ہی ہوسکتا ہے۔ احادیث، تفاسیر، تاریخ اور سیرت کی کتب میں برملا اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آپؓ کا نکاح 7 برس کی عمر میں اور رخصتی 9 برس کی عمر میں ہوئی تھی۔
کیرن آرم سٹرانگ نے بھی حضرت عائشہؓ کے کم سنی میں نکاح کو عرب میں اس وقت کے حالات میں جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن انہوں نے اس سلسلہ میں اعتراض کا اپنے رنگ میں ایک نہایت خوبصورت جواب دیا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتی ہیں:

''محمدؐ کی عائشہؓ سے سگائی کوئی غیر مناسب بات نہ تھی۔ لڑکی کی غیر موجودگی میں ان وقتوں میں ایک بالغ مرد اور کم سن لڑکی کے مابین اکثر شادیاں انجام پاتی تھیں تاکہ دو مختلف قبائل میں اتحاد پیدا ہو جائے۔ بلکہ بعض اوقات لڑکیوں کی عمریں عائشہؓ سے بھی کم ہوتی تھیں۔ یہ رواج یورپ میں بھی جدید دور کے اوائل تک جاری تھا۔ لیکن رخصتی کا عمل عائشہؓ کے بالغ ہونے سے پہلے کے سرانجام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ ان کو دوسری لڑکیوں کی طرح رخصت کیا گیا ہوگا جیسے دوسری لڑکیوں کو کیا جاتا تھا۔ محمدؐ کی اکثر شادیاں سیاسی مقاصد کے پیش نظر ہوئیں۔ آپؐ نے ایک مختلف

قسم کے قبائلی اتحاد کی بنیاد ڈالی جس کی بنا باہم رشتہ داری کی بجائے نظریاتی وحدت تھا۔ لیکن پھر بھی خونی رشتہ داری کا زیادہ تقدس اور وقعت تھی جس نے اس تجرباتی قبیلہ کو آپس میں مضبوط کرنے میں مدد دی'' (ص ۱۰۵)

گو کیرن آرم سٹرانگ نے رخصتی کے وقت حضرت عائشہؓ کو بالغ قرار دیا ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ جس وقت حضرت عائشہؓ کے رشتہ کی بات شروع ہوئی وہ بالغ ہی تھیں اور ان کا نکاح ایک بالغ شخص سے ہو چکا تھا۔ ان سب امور کی تفصیل اور حقائق کو سامنے لانے کے لئے میں جماعت کے ایک نہایت علم دوست اور محقق مضمون نگار اور مدیر ''روح اسلام'' جناب غلام نبی مسلم صاحب مرحوم کے کتابچہ ''رخصتی کے وقت حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی عمر'' سے چند اقتباس پیش کرتا ہوں (یہ پورا کتابچہ دو اقساط میں ''پیغام صلح'' کے مارچ اور اپریل 2010ء کے شماروں میں شائع ہو چکا ہے۔ یہاں میں صرف تاریخی شواہد نقل کر رہا ہوں):

تاریخی شواہد

سب سے پہلے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں آنحضرت صلعم کو سیدہ عائشہؓ صدیقہ سے شادی کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ''خدیجہ ایسی رفیق و غم گسار بیوی کی وفات کے بعد آنحضرت صلعم بہت ملول رہا کرتے تھے۔ بلکہ اسی تنہائی کے غم سے زندگی بھی دشوار ہو گئی تھی۔ جان نثاروں کو اس کی بہت فکر تھی۔ حضرت عثمان بن مظعون (المتوفی ۲ھ) ایک مشہور صحابی ہیں۔ ان کی بیوی خولہ بنت حکیم آپؐ کے پاس آئیں اور عرض کی کہ یارسول اللہ! آپؐ دوسرا نکاح کر لیں۔ آپؐ نے فرمایا کس سے؟ خولہ نے کہا بیوہ اور کنواری دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں جس کو آپ پسند فرمائیں۔ اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔ فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہ نے کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں اور کنواری ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ۔ ارشاد ہوا بہتر ہے تم اس کی نسبت گفتگو کرو۔'' (''سیرت عائشہ'' ص ۲۴)

سید سلیمان ندوی کی رائے میں سیدہ عائشہؓ سے آنحضرت صلعم کی شادی کا بڑا سبب غم، تنہائی اور غم گسار رفیقہ کی جدائی تھا۔ اس کی دو دیگر وجوہ بھی تھیں۔ ایک تو گھریلو مصروفیت بڑھ جانے کی وجہ سے آپؐ کے مقصد رسالت کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں گھر میں دو کم عمر صاحبزادیاں سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم تھیں جن کی دیکھ بھال کے لئے خاتون خانہ کی ضرورت تھی۔ ان حالات کا تقاضا تھا کہ آپ کسی ذہین، بالغ، سلیقہ اور امور خانہ داری سے واقف عورت کو رفیقہ حیات بناتے۔ کسی چھ سالہ کمسن۔ ناپختہ لڑکی سے نکاح آپ کے گھریلو تقاضوں کی تکمیل نہیں کر سکتا تھا۔ ایک چھ سالہ لڑکی نہ تو غم گساری کر سکتی تھی نہ گھر کے کاروبار اور بچیوں کو سنبھال سکتی تھی بلکہ کم عمری کی وجہ سے آپ کی مشکلات میں اضافہ کا موجب ہی ہو سکتی تھی۔ ایسے حالات میں آنحضرت صلعم نہ عائشہؓ سے شادی کا تصور کر سکتے تھے اور نہ ہی خولہ ایسی تجربہ کار، سنجیدہ اور عقلمند خاتون آپ کو ایسی شادی کا مشورہ دے سکتی تھی۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ جب حضرت خولہ نے آنحضرتؐ کے سامنے سیدہ عائشہؓ کے رشتے کی تجویز پیش کی تو کسی روایت میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ آنحضرتؐ نے سیدہ عائشہؓ کی کم عمری کا ذکر کر کے اس رشتے سے انکار کیا ہو۔ کہ وہ میری گھریلو ذمہ داریوں کو کیسے سنبھالے گی۔ بلکہ بلا تامل رضامندی کا اظہار کر دیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ اپنی عمر کے لحاظ سے بالغ ہو چکی تھیں اور آنحضرت صلعم کی نظر میں آپؓ گھر سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ اسی طرح جب حضرت خولہ نے حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت صلعم کے لئے سیدہ عائشہ کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے ہرگز یہ عذر نہ کیا کہ عائشہؓ بھی کمسن اور نابالغ ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی عائلی ذمہ داریاں پوری نہ کر سکے گی۔ اس کے برعکس سیدہ عائشہؓ کی عمر اتنی زیادہ تھی کہ اس سے قبل حضرت ابوبکرؓ نے سیدہ عائشہؓ کی سگائی جبیر بن مطعم کے لڑکے سے کر رکھی تھی اور آنحضرت صلعم کا پیغام پہنچنے پر یہ نسبت منقطع کر کے سیدہ عائشہؓ کا نکاح حضور اکرمؐ سے کر دیا۔ کیا یہ سب کچھ ایک چھ سالہ گڑیاں کھیلنے والی لڑکی کے بارے میں ممکن ہو سکتا تھا۔ یا سیدہ عائشہؓ اس وقت بالغ اور باشعور تھیں۔

اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ مکہ کی زندگی میں معراج اور ہجرت نبوت کے جو تفصیلی حالات سیدہ عائشہؓ نے بیان کیے ہیں وہ کسی دوسرے صحابی کی روایت میں نہیں ملتے اور اس تفصیل کی توقع کسی ایسی لڑکی سے کرنا بحث ہے جس کی اپنی عمر ہجرت کے وقت آٹھ سال بیان کی جاتی ہے۔ اس امر سے بھی واضح ہے کہ ہجرت کے وقت آپؓ سترہ اٹھارہ سال کی بالغ نظر جوان لڑکی تھیں۔ جس کا شعور، قوت شاہد، حافظ اور ادراک حالات پختہ ہو چکے تھے۔

سیدنا ابوبکرؓ کی تیمارداری

مدینہ پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ شدید علیل ہو گئے۔ تو سیدہ عائشہؓ کی والدہ محترمہ اور بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے ہوتے ہوئے بھی والد کی تیمارداری آپؓ کے سپرد ہوئی۔ سیدہ عائشہؓ ہی روایت کرتی ہیں کہ جب آپ والد محترم سے خیریت دریافت کرتیں تو وہ یہ شعر پڑھتے:

كل امرء مصبح فى اهله   والموت ادنىٰ من شراك نعله

اگر ہجرت کے پہلے سال حضرت عائشہ کی عمر آٹھ سال تھی اور اگلے سال رخصتی کے وقت آپ ۹ سال کی تھیں تو پھر بڑوں کے ہوتے ہوئے آپ کو تیمارداری کی خدمت کیوں سونپی گئی اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ ایک کم عمر بچی کو شعر کیوں سناتے

تھے۔ سچ یہی ہے کہ سیدہ عائشہؓ اس وقت سترہ اٹھارہ سال کی تھیں اور سخن فہمی کا کامل ملکہ رکھتی تھیں۔

''اصابہ'' کی روایت اوپر درج کر چکے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش خانہ کعبہ کی تعمیرنو کے وقت ہوئی جب کہ آنحضرتؐ کی زیادہ سے زیادہ عمر ۳۵ سال تھی اور سیدنا عائشہؓ سیدنا فاطمہؓ سے چار پانچ سال چھوٹی تھیں۔ لیکن تاریخ ہی ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرتؐ سے ۱۰ بعثت میں ہوا اور اس سے قبل سیدہ عائشہؓ کی منگنی جبیر بن معطم کے لڑکے سے ہو چکی تھی۔ جب کہ سیدنا فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح سیدہ عائشہؓ کے نکاح سے پانچ سال بعد ۲ ھ میں مدینہ میں ہوا اور حضرت فاطمہؓ کے نئے گھر کو خود سیدہ عائشہؓ نے آراستہ کیا اور سید سلیمان ندوی ہی کے الفاظ میں مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے، چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کئے، لکڑی کی الگنی تیار کی تا کہ اس پر پانی کی مشک اور کپڑے لٹکائے جائیں۔ (سیرۃ عائشہؓ)

کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ سیدہ عائشہؓ عمر میں سیدہ فاطمہؓ سے قدرے بڑی تھیں یا کم از کم ہم عمر تھیں اور ہر دو کی پیدائش کعبہ کی تعمیر نو کے قریبی زمانہ میں ہوئی۔

جنگ احد میں غازیان دین کی سقائی

جنگ احد کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر دس سال بتائی جاتی ہے لیکن تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اس لڑائی میں دیگر خواتین اسلام کے ساتھ آپؓ نے بھی کندھے پر پانی کی مشک اٹھائی ہوئی تھی۔ مدینہ سے پانی بھرتیں اور تین میل دور احد کے پہاڑ کے دامن میں دن بھر مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں۔ کیا یہ کارنامہ کوئی دس سالہ لڑکی انجام دے سکتی تھی؟ چھ سال کی عمر میں آپؓ کے نکاح کے مویدین کا سارا استدلال اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ وہ نو سال کی عمر میں وظیفہ زوجیت ادا کر سکتی تھیں اور ان فرائض و وظائف کو نظر انداز کر دیا ہے، جو رسول اللہ صلعم کے اہل بیت ہونے کے ناطے سے آپؓ پر عاید ہوتے تھے۔ کیا احد میں شرکت ایک گڑیاں کھیلنے والی کمسن لڑکی کی ہمت کا مظاہرہ ہے؟ کیا اسی واقعہ سے عیاں نہیں کہ آپ اس قدر بڑی ہو چکی تھیں کہ آپؓ بلاخوف وخطر میدان جنگ میں سقائی کے فرائض انجام دیتی رہیں اور اس وقت آپؓ کی عمر بلاشبہ بیس اکیس سال تھی۔

یقیناً حضرت عائشہؓ کی ذہانت، وفاشعاری، دین داری اور سب سے زیادہ ان کا حضرت خدیجہؓ کے بعد ایک نہایت شاندار، دل پذیر اور قابل رشک بیوی کا کردار ہے۔ جس کی مثال ملنا محال ہے۔

نبی کریمؐ کے آخری لمحات

سید سلیمان ندوی صاحب نے ان کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انتہائی محبت اور عقیدت کا حال اپنی کتاب ''سیرت عائشہ'' میں یوں بیان کیا ہے:

''اب وقت آخر تھا، حضرت عائشہؓ سرہانے بیٹھی تھیں۔ آپؐ ان کے سینہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن مسواک لئے اندر آئے۔ آپؐ نے مسواک کی طرف دیکھا۔ سمجھ گئیں کہ آپؐ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے مسواک لے کر اپنے دانت سے نرم کر کے آپؐ کو دی، آپؐ نے صحیح و تندرست آدمی کی طرح مسواک کیا۔ حضرت عائشہؓ فخر سے یہ کہا کرتی تھیں کہ تمام بیویوں میں مجھ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپؐ نے منہ میں لگایا۔

حضرت عائشہؓ آپ کی تندرستی کے لے دعائیں مانگ رہی تھیں۔ آپؐ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا، فوراً دست مبارک کھینچ لیا، اور فرمایا: **اللھم الرفیق الاعلیٰ**۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ تندرستی کی حالت میں آپ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر کو مرتے وقت دنیاوی اور اخروی زندگی میں سے ایک کے قبول کا اختیار دیا جاتا ہے۔ ان الفاظ کو سن کر میں چونک پڑی کہ آنحضرت صلعم نے ہم سے کنارہ کشی ہی قبول کی۔ تاہم وہ ابھی کم سن تھیں، کسی کو اب تک اپنی آنکھ سے مرتے نہیں دیکھا تھا۔ عرض کی یارسول اللہ: آپؐ کو بڑی تکلیف ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ثواب بھی بقدر تکلیف ہی ہے۔ اب تک حضرت عائشہؓ آپؐ کو سنبھالے بیٹھی تھیں۔ کہتی ہیں کہ دفعتہً مجھ کو آپؐ کے بدن کا بوجھ معلوم ہوا۔ آنکھوں کی طرف دیکھا تو پھٹ گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ سراقدس تکیہ پر رکھ دیا، اور رونے لگیں۔ حضرت عائشہؓ کے فضائل ومناقب کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ مرنے کے بعد ان کے حجرہ کو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن بننا نصیب ہوا، اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک ہوئی۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.**

حضرت عائشہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں۔ انہوں نے اس کا ذکر حضرت ابوبکرؓ سے کیا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ ان تین چاندوں میں سے ایک یہ ہے اور یہ ان میں سب سے بہتر ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ دو پچھلے چاند صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ تھے۔

حضرت عائشہؓ بیوہ تھیں اور اسی عالم میں انہوں نے عمر کے چالیس مرحلے طے کئے۔ جب تک زندہ رہیں، اسی مزار قدس کی مجاور رہیں۔ قبر نبویؐ کے پاس ہی سوتی تھیں۔ ایک دن آپؐ کو خواب میں دیکھا، اسی دن سے وہاں سونا چھوڑ دیا۔ (ص ص ۱۱۰، ۱۱۱)

شبان الاحمدیہ مرکزیہ

بچوں کا صفحہ

خیر خواہی کا جذبہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی انگشتری میں ایک ایسا نگینہ جڑا ہوا تھا۔ جس کی صحیح قیمت کا اندازہ جوہری بھی نہ کر سکتے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دفعہ سخت قحط پڑ گیا لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ حضرت عمر کو ان حالات کا علم ہوا تو لوگوں کی امداد کے لئے اپنی انگشتری کا وہ قیمتی نگینہ بھی فروخت کر دیا اور جو قیمت ملی اس سے اناج خرید کر تقسیم کر دیا۔ جب اس بات کا علم آپ کے خیر خواہوں کو ہوا تو ان میں سے ایک نے آپؒ سے کہا:

''یہ آپ نے کیا کیا، ایسا بیش بہا نگینہ بیچ دیا''۔ حضرت نے یہ بات سن کر فرمایا کہ ''وہ نگینہ مجھے پسند تھا لیکن میں یہ بات گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ لوگ بھوکے تڑپ رہے ہوں اور میں قیمتی انگوٹھی پہنے بیٹھا رہوں۔ کسی حکمران کے لئے یہ زیب نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو تکلیف میں مبتلا دیکھے اور اپنے آرام اور زیب و زینت کے سامان کو عزیز رکھے'' یہ فرماتے ہوئے آپؒ کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

علم کی اہمیت

☆ وہ بچہ جس میں علم حاصل کرنے کا شوق نہ ہو اُس پھول کی مانند ہے جو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پڑا ہو۔

☆ وہ علم جس سے کچھ فائدہ نہ ہو اس پودے کی مانند ہے جس کے پتے تو ہوں مگر پھول نہ کھلیں۔

☆ وہ طالب علم جو سکول کی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں کے ذریعہ اپنا مطالعہ وسیع نہ کرے ایسے مینڈک کی مانند ہے جو کنوئیں میں رہتا ہو اور اس نے سمندر نہ دیکھا ہو۔

اقوال زریں

☆ بولنا عظیم ہے۔ لیکن خاموشی اس سے بھی عظیم تر ہے۔

☆ سب سے خوبصورت چیز انسان کا ارادہ ہے۔

☆ مایوسی انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔

☆ زندگی کو غنیمت جانو۔ یہ عنقریب تم سے لے لی جائے گی۔

☆ سورج غروب ہونے کے بعد آہ و زاری نہ کرو۔ ورنہ ستاروں کو بھی کھو دو گے۔

☆ علم دل کو اس طرح زندہ کرتا ہے، جس طرح بارش خشک زمین کو۔

☆ موت ایک بے اطلاع ساتھی ہے۔

قہقہے

گاہک دکاندار سے: کیا آپ کے پاس چوہے مار دوا ہے؟

دکاندار بولا: کیا آپ خود لے جائیں گے؟

گاہک! نہیں چوہے آپ کے پاس بھیج دیتا ہوں۔

بیٹا: میرا ذکر اخباروں اور رسالوں میں آیا ہے

ماں۔۔۔۔ ارے میں نہ کہتی تھی کہ تم سب کا نام روشن کرو گے۔ اچھا بتاؤ تمہارا نام کس وجہ سے آیا ہے۔ بیٹا: ملک کی آبادی تیرہ کروڑ سے زیادہ ہوگئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں میں بھی شامل ہوں۔

کوئز اطفال الاحمدیہ مرکزیہ

سوال نمبر 1: حجتہ الوداع کس کو کہتے ہیں؟

سوال نمبر 2: حجتہ الوداع کے موقع پر کتنے مسلمانوں نے حج کیا؟

سوال نمبر 3: سبحان اللہ کب بولتے ہیں؟

سوال نمبر 4: انشاء اللہ کب کہتے ہیں؟

سوال نمبر 5: نماز میں ہماری سوچ کیا ہونی چاہیے؟

پچھلے شمارہ کے کوئز کے درست جواب دینے والی بچی کا نام

ا۔ در شہوار احمد

پیش کردہ: اطہر رسول۔ ایم۔ اے برموقع عید میلاد النبیؐ

وہ مقام کتنا بلند تھا! جہاں پہنچے سرورِ انبیاء!

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

از سلیم تابانی

کوئی مقتدا! کوئی راہنما! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں!
ہے کوئی وجودِ خدا نما! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں!
کوئی راز حق کا امیں ہوا! کوئی حق سے اتنا قریں ہوا!
کوئی رشک مہرِ مبیں ہوا! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں!
کسی آفتاب کی روشنی! کسی ماہ تاب کی چاندنی!
کوئی اور سلسلہ نور کا! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں!
وہ مقام کتنا بلند تھا! جہاں پہنچے سرورِ انبیاء!
کوئی اس مقام پہ جائے گا! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں
وہ کمالِ اوجِ پیغمبری! یہ نشانِ دلقِ قلندری
کوئی ان کے بعد بھی پاسکا! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں
ہے شریعت ان کی آخری! نہیں، اس کے بعد کوئی نہیں
یہ ہے حق کا آخری فیصلہ! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں
کوئی تاجدارِ عرب بنا! کوئی دوستدارِ عجم ہوا!
کوئی غم گسار غریب کا! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں
ہے نثار شمعِ ہدیٰ کوئی! ہے شفیعِ روزِ جزا کوئی!
کوئی سلسلہ! کوئی واسطہ! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں
کوئی اور جاتا بھی کس طرح! کہ یہ تھا حضورؐ کا مرتبہ!
سرِ عرش کوئی بشر گیا! نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں
ہے کوئی بھی حامئی بے نوا! ہے سلیم کا کوئی آسرا!
ہے یہ ساری عمر کا تجربہ نہیں، ان کے بعد کوئی نہیں

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

بیت بازی کے لئے الف سے شروع ہونے والے اشعار

انتخاب از منظوم کلام بانی سلسلہ احمدیہ۔ ا

مرتبہ: جسارت نذر رب صاحبہ ایم۔اے

اک نہ اک دن پیش ہوگا تو خدا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

آدمی زاد تو کیا فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

اک کرشمہ اپنی قدرت کا دکھا
تجھ کو سب قدرت ہے اے رب الوریٰ

اے عزیزو سوچ کر دیکھو ذرا
موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا

ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخلِ جنت ہوا وہ محترم

ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب
ورنہ تھا قبلہ تیرا رخ کافر و دیندار کا

اس بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
مت کرو کچھ ذکر ہم سے ترک یا تاتار کا

اے عزیزو سنو کہ بے قرآں
حق کو ملتا نہیں کبھی انسان

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذاتِ واحد کا
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

ارے لوگو کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

اِس کے اوصاف کیا کروں میں بیاں
وہ تو دیتا ہے جاں کو ادراک جاں

ان کے طریق و دھرم میں گو لاکھ ہو فساد
کیسا ہی ہو عیاں کہ وہ ہے جھوٹ اعتقاد

اے ہوش و عقل والو یہ عبرت کا ہے مقام
چالاکیاں تو ہیچ ہیں تقویٰ سے ہوویں کام

ان کے گماں میں ہم بد و بدحال ہوگئے
ان کی نظر میں کافر و دجّال ہوگئے

اے مدعی نہیں ہے تیرے ساتھ کردگار
یہ کفر تیرے دیں سے ہے بہتر ہزار بار

آخر تو کوئی بات ہے جس سے ہوا وہ یار
بدکار سے تو کوئی بھی کرتا نہیں ہے پیار

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب

از اعظم علوی

علمبردار حقیقت

اک کہ خاکِ قادیاں میں جسمِ اطہر ہے تیرا
روحِ دنیا کے لئے ہے اک پیامِ جاں فزا

محو ناؤ نوش تھے جب راہ رو و رہنما
بھولے بیٹھے تھے سبھی صدق و صفا کا راستہ

دین تھا علماء کے ہاتھوں کشتی بے بادباں
ناخدا سوئے ہوئے تھے، تھا خدا ہی پاسباں

رہنما بننا تھا جس نے تھا یہی وہ کارواں
اپنے محسن کا جسے بھولا ہوا تھا آستاں

باہمی جھگڑوں سے پیدا اک نیا طوفان تھا
نام کا اسلام تھا اور نام کا ایمان تھا

دین کو پیشہ سمجھتے تھے یہ فرضی پیشوا
خوابِ غفلت میں پڑے تھے خون پی کر قوم کا

اور ادھر باد مخالف اس قدر زوروں پہ تھی
کشتی اسلام کا کوئی نہ تھا والی ولی

ملت بیضا کے چھالے رو پڑے جب پھوٹ کر
ابر رحمت چڑھ کے آیا اور برسا ٹوٹ کر

تیرے آنے سے جہاں میں آگیا وہ انقلاب
مدتوں سے منتظر بیٹھے تھے جس کے شیخ و شاب

تھا مسیحِ ناصری کو کام مردوں سے پڑا
تو نے ہر فرد و بشر کے سر پہ جاکر ”قم“ کہا

تھی رگِ باطل پہ نشتر تیری آوازِ بلند
تو نے پھینکی ہر مخالف پہ دلائل کی کمند

کام خنجر کا لیا تو نے قلم کی نوک سے
وار تیرے رک نہ سکتے تھے کسی کی روک سے

یوں خس و خاشاک کو تو نے اڑایا راہ سے
ہوں مسلماں تاکہ واقف رمز لااکراہ سے

تیرا آنا تھا جہانِ نو بنانے کے لئے
خوابِ غفلت سے مسلماں کو جگانے کے لئے

ہر کوئی بھولا ہوا تھا جب مقام زندگی
نوع انساں کو دیا تو نے پیام زندگی

ہے مسیحِ دورِ حاضر رتبہ اعلیٰ ترا
تو نے آ کر دین پر ایمان کو زندہ کیا

السلام اے رہنمائے دین و ملت السلام
السلام اے نائب فخرِ رسل خیر الانام

السلام اے مہدی مسعود ظلِ مصطفیٰ
السلام اے واقف اسرارِ دین مصطفیٰ

آج دشمن کو تری خدمات کا اقرار ہے
اک مسلماں ہے کہ تیرے نام سے بیزار ہے